FEBRUARY-2020 Rs. 25/-

جمادی الاخریٰ ۱۴۴۱ھ / فروری ۲۰۲۰ء

انہیں منظور ہے جب تک یہ دورِ آزمائش ہے
نہ چاہیں تو ابھی وہ ختم دورِ ابتلا کر دیں

جانشینِ تاج الشریعہ مفتی محمد عسجد رضا خان قادری نوری بریلوی مدظلہ العالی
مدیرِ اعلیٰ

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

ماہنامہ سنی دنیا
بریلی شریف

MAHNAMA SUNNI DUNIYA

حضرت مفتی شبیر حسن رضوی علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر خصوصی گوشہ

- خوش حال زندگی کا راز
- ایمان، کفر اور تکفیر
- علامہ کامل سہسرامی: ایک اجمالی تعارف
- آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

- مسلک رضا کا سپہ سالار نہ رہا
- رونق تھا گلستاں کا جو وہ دلربا جاتا رہا
- علم و فن کے مہر درخشاں مفتی شبیر حسن رضوی
- مفتی شبیر حسن رضوی! ایک جامع الصفات شخصیت
- امام العلما حضرت مفتی شبیر حسن رضوی اور مرکز اہل سنت
- حضرت مفتی شبیر حسن رضوی! مرکز اہل سنت سے دیرینہ.....

مُدیر
مولانا محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

بیادگار
امام المتکلمین حضرت علامہ مفتی محمد نقی علی خاں قادری بریلوی، اعلیحضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی، مفتیٔ اعظم حضرت علامہ مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری بریلوی، مفسر اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

بانی و سرپرست روحانی
وارثِ علوم اعلیٰ حضرت عکس حجۃ الاسلام ثانی
مفتیٔ اعظم نور دیدۂ مفسرِ اعظم تاج الشریعہ
بدر الطریقہ حضرۃ العلام الحاج الشاہ المفتی
محمد اختر رضا
خان قادری ازہری بریلوی
رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست و مدیر اعلیٰ
نبیرۂ اعلیٰ حضرت شہزادہ و جانشین تاج الشریعہ
قاضی القضاۃ فی الہند پیر طریقت رہبر شریعت
قائد ملت حضرۃ العلام الحاج الشاہ المفتی
محمد عسجد رضا
خان قادری نوری بریلوی
مدظلہ العالی

مرکزی ادارۂ عظیم اہل سنت و جماعت آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کا علمی دینی و اصلاحی اجرا ۱۹۸۰ء

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

ماہنامہ سنی دنیا
بریلی شریف

MAHNAMA SUNNI DUNIYA

مدیر: مولانا محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

شمارہ نمبر ۲
Issue No. 2
Vol. 5 جلد نمبر ۵

جمادی الاخریٰ
۱۴۴۱ ہجری
فروری ۲۰۲۰ء

تزئین کار

محمد عتیق احمد حشمتی (شجاع ملک)
آئی ٹی ہیڈ: جامعۃ الرضا

محمد تمجید خان عرشی
فائزہ پرنٹرس، حامدی مارکیٹ

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے
سالانہ ۳۰۰ روپے سادہ ڈاک سے
سالانہ ۵۵۰ روپے رجسٹرڈ ڈاک سے
پاکستان، سری لنکا اور بنگلہ دیش سے ۱۰۰۰ روپے
امریکہ اور دیگر ممالک سے ۳۵ امریکی ڈالر

انتباہ
کسی بھی طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف بریلی شریف کے کورٹ میں قابل سماعت ہوگی، مضمون نگار اور اہل قلم کی آرا سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں۔

نوٹ
قارئین کرام رسالہ سے متعلق کسی بھی طرح کی شکایت یا معلومات کے لئے صبح 9 بجے سے دوپہر ۲ بجے تک موبائل نمبر 9259089193 پر رابطہ کرسکتے ہیں۔

ہدایت
اہل قلم حضرات اور شعرائے اسلام سے التماس ہے کہ اپنے کمپوز شدہ مضامین و منظومات کی ان پیج یا ڈوک فائل رسالہ کی ای میل آئی ڈی پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

رابطہ کا پتہ
ماہنامہ سنی دنیا
۸۲ رسوداگران، درگاہ اعلیٰ حضرت
بریلی شریف پن نمبر ۲۴۳۰۰۳

Email:
sunniduniya@aalaahazrat.com
nashtarfaruqui@gmail.com
atiqahmad@aalaahazrat.com
Visit Us:
www.sunniduniya.com
www.aalaahazrat.com
www.cisjamiaturraza.ac.in

Contact Address
MAHNAMA SUNNI DUNIYA
82-Saudagran, Dargah Aalahazrat
Bareilly Sharif (U.P.) Pin - 243003
Contact Numbers
0581-2458543, 2472166, 3291453

ایڈیٹر، پبلیشر، پرنٹر اور پروپرائٹر مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری نے فائزہ پرنٹرس، بریلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ سنی دنیا ۸۲ رسوداگران درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی سے شائع کیا۔

Editor, Printer, Publisher & Owner Asjad Raza Khan, Printed at Faiza Printers, Opp. Lala Kashinath Jewelers, Hamidi Complex, Gali Wazeer Ali, Bara Bazar, Bareilly, Published at 82, Saudagran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Shareef (U.P.)

اس شمارے میں

مشمولات

انہیں منظور ہے جب تک یہ دورِ آزمائش ہے
نہ چاہیں تو ابھی وہ ختم دورِ ابتلا کر دیں
[حضور تاج الشریعہ]

محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

حضرت مفتی شبیر حسن رضوی قدس سرہ

مرکز اہل سنت سے دیرینہ تعلقات کے آئینے میں

اداریہ

حضرت مفتی شبیر حسن صاحب علیہ الرحمہ کے وصال پُر ملال سے مرکز اہل سنت ایک مخلص سپہ سالار اور سپہ گر سے محروم ہو گیا ہے، دنیائے سنیت میں فی الحال کوئی ایسی ذات نظر نہیں آتی جو مفتی صاحب کی نیابت کرتے ہوئے یہ خلا پُر کر سکے، حضرت مفتی صاحب کی تقریباً چالیس پینتالیس سالہ تدریسی زندگی مثالی اور بے داغ رہی، آپ کے فتاویٰ دنیائے سنیت میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، کسی فتوے پر آپ کی تصدیق اسے علمی دنیا میں اعتماد و اعتبار کے مرتبہ پر فائز کر دیتی تھی، اکابرین دین و ملت آپ پر اعتماد کرتے تھے اور اصاغرین کے لئے آپ کا قول حجت کی حیثیت رکھتا تھا، مرکز اہل سنت سے آپ کا رشتہ نہایت ہی مضبوط و مستحکم تھا، مرکز کی مرکزی شخصیات نے ہمیشہ آپ کو اپنا محبوب رکھا، آپ کی رائے لی اور آپ کے مشورے کو اہمیت و قبولیت کا شرف بخشا۔

معلومات کے مطابق آپ کو حضور مفتی اعظم ہند سے شرف بیعت حاصل تھا اور آپ کی خلافت سے بھی مشرف تھے، حضور تاج الشریعہ نے بھی آپ کو اپنی اجازت و خلافت سے نوازا تھا، بیعت و ارشاد بھی کرتے تھے لیکن بہت ہی کم افراد کو یہ موقع نصیب ہوا کیوں کہ آپ کو درس و افتا سے زیادہ کسی اور میدان میں دلچسپی نہ تھی، یہی وجہ تھی کہ رٹائرمنٹ کے بعد بھی آپ پوری مستعدی کے ساتھ درس و تدریس اور فقہ و افتا کے فرائض انجام دیتے رہے۔

آپ کے تعلقات حضور تاج الشریعہ سے نہایت ہی خوش گوار تھے، تاج الشریعہ کی جب بھی کوئی نئی تحریر یا تصنیف منصۂ شہود پر آتی تو پہلی فرصت میں جن حضرات کو بھیجنے کی تلقین ہوتی، ان میں حضرت مفتی صاحب کا نام بھی سر فہرست ہوتا، تاج الشریعہ آپ کے تأثرات پوری دلچسپی سے سماعت فرماتے اور مسرور ہوتے، تاج الشریعہ کی معرکۃ الآرا تالیف ''الفردۃ فی شرح البردۃ'' پر آپ نے ایک مختصر مگر جامع مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

تبحر علمی کے سبب ہی حضور تاج الشریعہ نے آپ کو شرعی کونسل آف انڈیا کے فیصل بورڈ میں شامل فرمایا تھا، جس کی ذمہ داریاں آپ نے تا حیات بخوبی انجام دیں، اب تک شرعی کونسل آف انڈیا نے ۱۶/ سولہ سیمینار منعقد کئے اور تقریباً سبھی سیمیناروں میں آپ نے خصوصی شرکت فرمائی، بلکہ ہر سال ایک نشست کی صدارت کے فرائض بھی آپ انجام دیتے تھے، کونسل کے تقریباً ۵۰/ سوالات و عنوانات کے جوابات آپ نے تحریر فرمائے جو سیکڑوں صفحات پر مشتمل ہیں۔

حضرت مفتی صاحب شرعی کونسل کی کارگزاریوں کے تعلق سے اپنے ایک تأثر میں یوں رقم طراز ہیں:

''بحمدہ تعالیٰ شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کی جانب سے منعقد نویں سیمینار میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، جن ۳/ عناوین پر گفتگو و بحث ہونی تھی ان سارے عناوین پر بحمدہ تعالیٰ عمدہ، اچھی بحثیں ہوئیں اور نتیجہ خیز بحث ہوئی، ان کے نتائج سامنے آئے، مندوبین حضرات نے نہایت سنجیدگی سے کلام و بحث کیا اور منتظمین حضرات نے نظم و انتظام بہتر سے بہتر کیا، وہ حضرات لائق تحسین و مبارک باد ہیں، خدا کرے کہ یہ سلسلہ جاری و ساری رہے اور پیچیدہ مسائل حل ہوتے رہیں اور امت مسلمہ کے لئے عمل کی راہیں ہموار ہوتی رہیں اور ان کے علم و عمل میں اضافہ ہوتا رہے۔

مولیٰ تعالیٰ حضرت تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الہند و ممتاز الفقہاء حضرت محدث کبیر دامت برکاتہما کے سایۂ کرم

کو دراز تر فرمائے اور ہم اہل سنت ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے رہیں، آمین بجاہ حبیبہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔'' [بارہویں فقہی سیمینار کے تأثرنامے سے ماخوذ]

راقم کو گاہ بگاہ فون کے ذریعہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا رہتا تھا، غالباً ۲۰۰۸ء تک حضور تاج الشریعہ کے حکم پر مہینے میں کئی کئی بار آپ سے تکلم کا شرف حاصل ہوتا، تحریرات وتأثرات کے سلسلے میں گفت گو ہوتی، مرکز اہل سنت کی سرگرمیوں کے تعلق سے تبادلۂ خیال ہوتا، جامعۃ الرضا کی علمی کارکردگی سے متعلق مشورے ہوتے، حضور تاج الشریعہ کی صحت وسلامتی کی دعائیں فرماتے، عمر کے اس حصے میں بھی حضور تاج الشریعہ کے مسلسل تبلیغی دوروں اور تحریری کارناموں کی داد دیتے نہیں تھکتے، جامعۃ الرضا کو دین کا ایک عظیم قلعہ قرار دیتے اور ارشاد فرماتے:

''تاج الشریعہ نے جامعۃ الرضا کے ذریعہ مرکز کی شان دوبالا فرمادی ہے، مولیٰ تعالیٰ انھیں سلامت رکھے۔''

اس کے علاوہ ہر سال شرعی کونسل آف انڈیا کے سالانہ سمینار میں راقم کی بالمشافہ ملاقات ہوتی تھی، ملاقات کے وقت اکثر یہ فرماتے:

''اچھا آپ ہی نشتر صاحب ہیں، ماشاءاللہ بچے آپ کے حسن انتظام کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، اللہ آپ کو سلامت رکھے۔''

حضرت مفتی صاحب غائبانہ بھی طلبا سے میرے بارے میں سن کر بہت خوش ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے، حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ جامعۃ الرضا میں تقریری امتحان کے لئے بھی تشریف لاتے، طلبا کی محنت اور اساتذہ کی عمدہ کارکردگی پر خوش ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے تھے۔

جامعۃ الرضا کے تعلق سے آپ نے تحریر فرمایا:

''بسلسلۂ سالانہ امتحان مرکز الدراسات جامعۃ الرضا بریلی شریف میں حاضر ہوا، اور درجات فارسی سے لے کر شعبۂ تربیت افتا کے طلبا وعلمائے کرام کا تعلیمی جائزہ لینے کا شرف حاصل ہوا، تعلیم لائق تحسین واطمینان بخش ہے، بعض طلبا بہت اچھے ہیں........حضرات اساتذۂ کرام وطلبائے عظام اپنے اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں ہمہ تن مصروف ہیں، نیز تعلیم کے ساتھ تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے جو عصر حاضر میں جامعۃ الرضا کی ایک اہم خصوصیت ہے۔

مولیٰ تعالیٰ حضرت تاج الشریعہ بانی وسرپرست وسربراہ اعلیٰ جامعۃ الرضا دامت برکاتہم القدسیہ کے سایۂ عاطفت کو جملہ اہل سنت وجماعت کے سروں پر دراز فرمائے اور حضور والا کے تمام منصوبوں وعزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور جامعۃ الرضا کو آفات ارضی وسماوی سے تحفظ عطا فرمائے، آمین بجاہ حبیبہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔'' [معائنہ رجسٹر سے ماخوذ]

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی شخصیت نہایت سادہ اور تصنع سے دور ونفور تھی، مگر آپ کا علمی مقام ومرتبہ نہایت ہی بلند وبالا تھا، آپ کی تدریس وتفہیم کا ایک زمانہ معترف تھا، آپ کے مضامین ومقالات دلائل وبراہین سے مملو اور تحقیقی تقاضوں سے پُر ہوتے، اسلوب نگارش دل نشین اور تسلسل کی نوع بنوع خوبیوں سے آراستہ وپیراستہ تھا۔

درج ذیل تصنیفات وتالیفات آپ کی مسلم الثبوت علمی اور فنی صلاحیتوں پر شاہد عدل ہیں:

(۱) حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ (۲) الجوھر المنظم فی شرح المسلم (۳) امام احمد رضا اور علوم عقلیہ (۴) جوامع الحکم (۵) توضیحات کبریٰ (۶) حاشیہ کبریٰ (۷) مختصر حالات فاطمہ زہرا وغیرہ۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے تلامذہ کی فہرست بڑی لمبی ہے جن میں وقت کے بڑے بڑے مفتی، مدرس، محقق اور محرر سرفہرست ہیں، یہ حضرات ملک وبیرون ملک میں اپنے اپنے طور پر دین متین کی نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ پوری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیتے رہے، اس سلسلے میں آپ نے اپنے شاگردوں کی بھی رعایت نہیں کی، جسے بھی آپ نے مسلک اعلیٰ حضرت سے سرمو منحرف پایا، اس سے کنارہ کش ہوگئے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کی عقیدت و بقیہ ص ۱۲ / پر

دوسری قسط

از: مفتی محمد صابر القادری فیضی*

احکام جنازہ

مردے کی تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ سے متعلق ایک معلومات افزا سلسلہ

ہمارے یہاں آج بھی مردے کی تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ کے سلسلے میں بہت ساری غلطیاں اور جہالت کے رسم ورواج موجود ہیں، دیہی علاقے تو خاص کر بدعات ومنکرات اور خرافات کے شکار ہیں، جبکہ کچھ شہری علاقے بھی مذکورہ برائیوں سے اچھوتے نہیں، ذیل میں ہم انھیں برائیوں کے تعلق سے ''احکام جنازہ'' کے عنوان سے ایک معلومات افزا سلسلہ شروع کر رہے ہیں جسے حضرت مفتی صابر القادری صاحب فیضی نے تحریر فرمایا، مطالعہ فرمائیے اور فائدہ اٹھائیے۔ [فاروقی]

گزشتہ سے پیوستہ

امیر معاویہ کا کفن

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت وصیت میں فرمایا میں صحبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرف یاب ہوا، حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاجت کے لیے تشریف فرما ہوئے، میں لوٹا لیکر ہمراہ رکاب سعادت مآب ہوا، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جوڑے سے کُرتا کہ بدن اقدس کے متصل تھا، مجھے انعام فرمایا وہ کرتا میں نے آج کے لیے چھپا رکھا تھا۔

اور ایک روز حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناخن و موئے مبارک تراشے وہ میں نے لے کر اس دن کے لیے اُٹھا رکھے، یہ کہہ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب میں مرجاؤں تو قمیص سراپا تقدیس کو میرے کفن کے نیچے بدن کے متصل رکھنا اور موئے مبارک اور ناخون ہائے مقدسہ کا میرے منھ میں اور آنکھوں اور پیشانی وغیرہ مواضع سجود پر رکھ دینا۔

(الاستیعاب فی معرفت الاصحاب، فتاویٰ رضویہ ج ۴ صفحہ ۱۲۹، تا ۱۳۱)

دفن میں عجلت کرنا چاہیے

قبر وغیرہ تیار ہوجانے کے بعد مردے کو جلد دفن کر دینا چاہیئے بلا ضرورت شرعیہ تاخیر کرنا مناسب نہیں، کیوں کہ حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی مرے تو اُسے نہ روکو اور جلد دفن کو لے جاؤ۔ (طبرانی)

دوسری حدیث میں ہے جلدی کرو کہ مسلمان مردے کو روکنا نہ چاہیے۔ (ابوداؤد)

اسی طرح نماز جنازہ میں بھی جلدی کرنا بہتر اور شرع کو محبوب ومطلوب ہے، حدیث پاک میں ہے تین چیزوں میں دیر نہ کرو:

(۱) نماز جب اس کا وقت آجائے (۲) جنازہ جس وقت حاضر ہو (۳) اور زن بے شوہر جب اس کا کفو ملے۔ [ترمذی]

ایک حدیث پاک میں یہ ہے کہ جنازہ میں جلدی کرو۔ (صحاح ستہ)

اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ اگر روز جمعہ پیش از جمعہ جنازہ تیار ہو گیا جماعت کثیرہ کے انتظار میں دیر نہ کریں پہلے ہی دفن کر دیں۔

اس مسئلہ کا بہت لحاظ رکھنا چاہیے کہ آج کل عوام میں اس کے خلاف رائج ہے جنہیں کچھ سمجھ ہے، وہ تو اسی جماعت کثیرہ کے انتظار میں روکے رکھتے ہیں۔

اور نرے جہّال نے اپنے جی سے اور باتیں تراشی ہیں کوئی کہتا ہے میّت بھی جمعہ کی نماز میں شریک ہوجائے کوئی کہتا ہے کہ نماز کے بعد دفن کریں گے تو میّت کو ہمیشہ جمعہ ملتا رہے گا، یہ سب بے اصل ومقصد شرع کے خلاف ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴/ ۵۰)

شب جمعہ کی موت

اسلامیات

شب جمعہ وروز جمعہ اور رمضان المبارک میں ہر روز کے واسطے یہ حکم ہے کہ جو مسلمان ان میں مرے گا سوال نکیرین وعذاب قبر سے محفوظ رہے گا، اللہ تعالیٰ اس سے کریم ہے کہ ایک شئ کو معاف فرما کر پھر اس پر مواخذہ کرے۔(فتاویٰ رضویہ ۴؍۱۲۴)

قبر کی شرعی صورت

قبر بنانے میں لوگوں کا بے حد اختلاف ہے، بعض لوگ کافی اونچی اور چوکور بناتے ہیں، بعض لوگ زمین کے برابر کردیتے ہیں، صرف ایک حصّہ اونچا رہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

قبر بنانے کے معاملے میں شرعی حکم یہ ہے کہ قبر پختہ نہ کرنا بہتر ہے، اور کریں تو اندر کا حصہ کچا رہے، اوپر سے پختہ کرسکتے ہیں لمبائی وچوڑائی میّت کے موافق ہو اور بلندی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو صورت ڈھلوان بہتر ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴؍صفحہ ۱۰۱)

مردے پر رونا

کسی کی موت پر جب اس کے عزیز واقارب روتے ہیں تو اس کے سبب سے مردے پر عذاب ہوتا ہے، اور وہ بھی رونے لگتا ہے۔

حدیث پاک میں یہی ہے کہ زندوں کے رونے سے مردے کو عذاب دیا جاتا ہے، اس حدیث کے معنیٰ علماء کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے کہ لوگ جو مردے پر روتے ہیں مردے کو ان کا رونا سُن کر صدمہ ہوتا ہے اور ان کے لیے اس کا دل کڑھتا ہے ایک حدیث میں یہ ہے کہ ایک بی بی اپنے بیٹے پر رو رہی تھیں، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمایا اور فرمایا جب تم میں کا کوئی روتا ہے تو اس کے رونے پر مردے کے بھی آنسو نکل آتے ہیں تو اے خدا کے بندو! اپنے مسلمان بھائیوں کو تکلیف نہ دو۔(عمدۃ القاری شرح بخاری)

ایک اور حدیث میں آیا ہے نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی روتا ہے تو اس کا ساتھی وہ مردہ بھی رونے لگتا ہے۔

دوسری روایت میں ہے وہ بی بی یعنی حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر تھیں، اپنے ایک بیٹے کو یاد کرکے روئیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا طریقہ ہے کہ دنیا میں زندگی تک اپنے ساتھی سے اچھا سلوک کرو اور مرنے کے بعد ایذا دو۔

قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جان پاک ہے کہ تمہارے رونے پر تمہارا مردہ رونے لگتا ہے تو اے خدا کے بندو اپنی اموات کو عذاب نہ دو۔(ابوبکر بن ابی شیبہ، طبرانی، فتاویٰ رضویہ ج ۴؍صفحہ ۳۴۷)

ایذائے میّت کی ممانعت

مردے کو کسی طرح کی کوئی تکلیف دینا منع ہے مثلاً بالوں کو کھینچنا یہاں تک کہ کنگھا کرنا بھی منع ہے، اس کی کسی ہڈی کو توڑنا ایسا ہے جیسے زندہ انسان کی ہڈّی کو توڑنا، بلکہ اگر مردے کو برائی سے یاد کیا جائے یا اُسے بُرا کہا جائے تو یہ باتیں بھی مردے کو تکلیف دینے والی ہیں احادیث میں ان سب سے ممانعت آئی ہے۔

حدیث میں ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میّت کو کنگھی کرنے سے منع فرمایا، کہ اُسے تکلیف ہوگی، اور فرمایا کیوں اپنے مردے کے موئے پیشانی کھینچتے ہو۔(کتاب الآثار امام محمد)

ایک حدیث میں ہے کہ مردہ مسلمان کی ہڈی توڑنی ایسی ہی ہے جیسے زندہ مسلمان کی ہڈی توڑنی۔(صحاح ستہ)

موت کے بعد بُرا بھلا کہنے سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ مردوں کو بُرا مت کہو کہ وہ اپنے کیے کو پہنچ چکے۔(بخاری، نسائی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے مردوں کو یاد نہ کرو مگر بھلائی کے ساتھ کہ اگر وہ جنتی ہیں تو بُرا کہنے میں تم گنہگار ہوگے اور اگر دوزخی ہیں تو انھیں وہ عذاب ہی بہت ہے جس میں وہ ہیں۔(نسائی)

اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

مردوں کو بُرا نہ کہو کہ اس کے باعث زندوں کو ایذا دو۔(احمد،ترمذی)

ایک اورحدیث میں ہے کہ جب تمہارے ساتھی مرجائے تو اُسے معاف رکھواوراس پرطعن نہ کرو۔(ابوداؤد)

عمروبن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا،فرمایا مردے کو ایذا نہ دو (مسند امام ،فتاویٰ رضویہ ج ۴ رصفحہ ۳۳،۳۴)

تعزیت کو جانا

عرف ورواج میں تعزیت کا جوطریقہ رائج ہے کہ میّت کے گھروالوں کے پاس جاکرلوگ انھیں صبروشکر کی تلقین کرتے ہیں یہ جائزومحمود ہےاورتعزیت میں افضل یہ ہے کہ بعد دفن قبر سے پلٹ کرہواورقبل دفن بھی بلا کراہت جائز ہے۔

حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بذات خودتعزیت فرمائی اوراس کے فضائل وفوائدارشادفرمائے۔

ایک حدیث میں ہے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جسے کسی جنازے کی خبر ملے وہ اہل میّت کے پاس جاکر ان کی تعزیت کرے،اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک قیراط ثواب لکھے پھر اگر جنازہ کے ساتھ جائے تو اللہ تعالیٰ دوقیراط اجر لکھے پھراس پرنماز پڑھے تو تین قیراط پھردفن میں حاضر ہوتو چارقیراط اورہرقیراط کواحد کے برابر ہے۔(صحیح ابن سکن)

حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جوکسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے اُس کے لیے صاحب مصیبت کی طرح اجروثواب ہے۔(ترمذی)

حدیث: جوکسی تکلیف والے کی تعزیت کرے اُسے جنت میں چادر پہنایا جائے گا۔(ترمذی)

حدیث: جواپنے بھائی کی مصیبت کے وقت میں تعزیت کرے اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن جنتی جوڑا پہنائے گا۔(ابن ماجہ،بیہقی)

حدیث: حضرت بتول زہرارضی اللہ عنہا سے حضورانورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:اے فاطمہ تمہارے گھر سے باہر آنے کا سبب کیا ہے؟ عرض کی ہم اس میّت کے گھروالوں کے پاس آئے تھے میں نے ان کے لیے دعائے رحمت کی اوراُن کے مردہ کی ان سے تعزیت کی۔(ابوداؤد)

اورتعزیت کے لیے اولیائے میّت کے مکان پر جانا بھی سنّت سے ثابت ہے۔بارگاہ رِسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صحابۂ کرام بیٹھا کرتے تھے،ایک صحابی کاایک چھوٹا بچّہ تھا،اپنے ساتھ وہ اپنے بچے کوبھی لایا کرتے تھے۔

کئی دن تک وہ صحابی بارگاہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر نہ ہوئے توحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کیا سبب ہے کہ فلاں نظرنہیں آتا ہے،صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کا وہ لڑکا جسے آپ نے دیکھا تھا ہلاک ہوگیا ہے۔

یہ سُن کرحضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن صحابی رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لائے،اوران کے بیٹے کے بارے میں پوچھا،حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوبتایا گیا کہ اس کی موت ہوگئی ہے،پھرحضور نے اس کی تعزیت فرمائی۔(نسائی)

تین روزتک اولیائے میّت کوبھی رُخصت واجازت ہے کہ منکرات کے ارتکاب ورسوم کفار کے اتباع کے بغیراپنے مکان میں تعزیت کے لیے بیٹھیں تاکہ لوگ ان کے پاس آئیں اوررسم تعزیت بجالائیں۔

حضورانورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ زید وجعفروابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خبر شہادت سُن کرمغموم محزون مسجد میں تشریف رکھی ،صحابہ حاضر ہوتے اورتعزیت کرتے جاتے۔(بخاری،مسلم)

اورایک روایت میں ہے کہ حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ایک صحابی کودفن کرکے پلٹے اورصحابۂ کرام حاضررکاب سعادت تھے،میّت مرحوم کی زوجہ مطہرہ کا بھیجا ہوا آدمی ملاحضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے مکان پرتشریف لے گئے

اسلامیات

یعنی حضور نے تعزیت فرمائی۔(ابوداؤد، مسند احمد، فتاویٰ رضویہ ج ۴ر صفحہ ۱۷۷، ۱۷۹)

طریقۂ تلقین قبر

جس طرح نزع کے وقت تلقین کی جاتی ہے اسی طرح تدفین کے بعد قبر پر تلقین کرے۔

حدیث میں ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تمہارا کوئی بھائی مسلمان مرے اور اس کی قبر پر مٹی برابر کر چکو تو تم میں ایک شخص اس کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر کہے۔ یا فلاں بن فلانۃ کہ وہ سنے گا اور جواب نہ دے گا۔ پھر کہے یا فلاں بن فلانہ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائیگا وہ کہے گا ہمیں ارشاد کر اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہیں ہوگی۔

پھر کہے اُذْکُرْ مَاخَرَجْتَ عَلَیْہِ مِنَ الدُّنْیَا شَهَادَةَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اِنَّكَ رَضِیْتَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا وَّبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا۔

نکرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے، چلو ہم اس کے پاس کیا بیٹھیں جسے لوگ اِس کی حجت سکھا چکے اس پر کسی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر اس کی ماں کا نام معلوم نہ ہو، فرمایا تو حوّا کی طرف نسبت کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب قبر پر مٹی برابر کر چکیں اور لوگ واپس جائیں تو مستحب سمجھا جاتا ہے کہ میّت سے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر تین مرتبہ کہا جائے۔

یا فلاں قل لا الٰہ الا اللہ ۔ پھر کہا جائے **قل ربی اللہ و دینی الاسلام و نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم**۔ کہہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام اور میرا نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ (طبرانی و ابن شاہین، فتاویٰ رضویہ ج ۴ر صفحہ ۹۵)

مسئلہ: مستحب یہ ہے کہ دفن کے بعد قبر پر سورہ بقرہ کا اوّل و آخر پڑھیں، سرہانے الٓمّ سے مفلحون تک اور پائنتی آمن الرسول سے ختم سورت تک پڑھیں۔

(بہار شریعت حصہ ۴ر صفحہ ۱۶۲)

جنازہ لے چلنے کا بیان

مسئلہ: جنازہ کو کندھا دینا عبادت ہے ہر شخص کو چاہئے کہ عبادت میں کوتاہی نہ کرے اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ اُٹھایا۔

مسئلہ: سنت یہ ہے کہ چار شخص جنازہ اُٹھائیں ایک ایک پایہ ایک شخص لے، اور اگر صرف دو شخصوں نے جنازہ اُٹھایا، ایک سرہانے اور ایک پائنتی تو بلا ضرورت مکروہ ہے اور ضرورت سے ہو مثلاً جگہ تنگ ہو تو حرج نہیں۔ .... جاری

ص ۱۹ر کا بقیہ

بے تحاشہ عزت وقدر پیدا ہوگی اور اگر بیوی بوسیدہ لباس، گردآلود چہرہ، بکھرے بال، پیاز اور لہسن کی بو کے ساتھ ویلکم کرے گی تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ شوہر آہستہ آہستہ تم سے دور ہوتا چلا جائے گا اور بیوی کی نسبت باہر، دوستوں اور موبائل کو زیادہ وقت دینے لگے گا۔

ایسا نہیں کہ زیب وزینت کی ذمہ داری صرف عورت پر عائد ہوتی ہے، زیب وزینت کے معاملات مردوں پر بھی ہیں، انھیں بھی حسب ضرورت اپنے آپ کو مینٹین کرنا چاہئے تاکہ ان کی ذات بیوی کے لئے پر کشش بنی رہے۔

◆◆◆

ص ۴۴ر کا بقیہ

روناہی کے جامع مسجد کے سامنے محدث کبیر، ممتاز الفقہا، حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ قادری دامت برکاتہم القدسیہ کی اقتدا میں ادا کی گئی، جس میں ہزاروں عوام وخواص نے شرکت کی اور تدفین جامعہ سے متصل ٹیلے پر واقع مزار شریف کے صحن میں کی گئی، دعا ہے کہ مولائے قدیر اپنے حبیب لبیب علیہ التحیۃ والتسلیم کے صدقہ وطفیل آپ کی جملہ خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور آپ کے مراتب و درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے، آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

◆◆◆

از: غلام مصطفیٰ رضوی*

آساں نہیں مٹانا نام ونشاں ہمارا

آئینِ ہند کی حفاظت کے لئے مسلسل بیدار رہنے کی ضرورت ہے

احوالِ وطن

آزادی کی شب خاک وخوں سے گزر کر نمودار ہوتی ہے، ۱۹۴۷ء میں بھارت آزاد ہوا، اُس تحریکِ آزادی کی بنیاد اکابر ہند بالخصوص علامہ فضل حق خیرآبادی، علامہ کفایت علی کافی مرادآبادی، علامہ صدرالدین خاں آزردہ دہلوی، علامہ ڈاکٹر وزیر احمد خاں اکبرآبادی، علامہ رضا علی خاں بریلوی نے ۱۸۵۷ء میں رکھی، قربانیاں دیں، جان نچھاور کی، مظالم سہے، زنداں کی اسیری گوارا کی، انڈمان کی قیدِ تنہائی سے گزرے، کالا پانی کی سزا ہوئی، انگریزی استبداد کے خلاف آواز بلند کی، ڈٹے رہے، صف در صف انگریز کو للکارا، کارواں بڑھتا رہا۔

آزادی کی شمع جلتی رہی، پروانے نثار ہوتے رہے، زمینی کاوش جاری رہی، عملاً اور تحریراً بھی مجاہدین محاذ پر جمے رہے، ہندستان کی زمیں اس کی گواہ ہے، پھر! میر جعفر و میر صادق خریدے گئے، جدوجہد کو سبوتاژ کرنے کے لیے سیم و زر لٹائے گئے، مشرکین نے الگ کوششیں کیں؛ کہ مسلمانوں کو کمزور کیا جائے "سوراج" کے قیام کے لیے مشرکین نے مراسمِ اسلامی کو نشانہ بنایا، دو، دو محاذ تھے، عزم ویقیں کی تاریخ رقم کی گئی۔

صبحِ آزادی اور فرقہ پرستی

۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا، ایک ملک بٹوارے کے نتیجے میں وجود پایا، وارثانِ لال قلعہ و تاج محل نے ہندستان سے ہجرت گوارہ نہ کی، یہ خواجہ غریب نواز کا دیس ہے، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا دیس ہے، حضرت محبوبِ الٰہی و سرکار مخدومِ سمناں کا دیس ہے، یہیں طوطیِ ہند حضرت امیر خسرو نے نغمۂ روح سے؛ باطن سرشار کیا، یہاں کی فضائیں حسانُ الہند علامہ آزاد بلگرامی کی عربی و فارسی نعتوں سے گونج رہی ہیں، بلبلِ باغِ جناں اعلیٰ حضرت نے نغمۂ نعت گنگنایا ؎

یہی کہتی ہے بلبل باغِ جناں، کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ، مجھے شوخیِ طبع رضاؔ کی قسم

ہند میں صوفیائے کرام نے خانقاہیں سجائیں، مسجدیں بنائیں، علما نے مسندِ تدریس لگائی، ملک کو سجایا، سنوارا، نکھارا، محبتوں کا درس دیا، خوشبوؤں سے بسایا، یہاں صدیوں مسلم حکومت رہی، انصاف کا بول بالا رہا، اخوت کی سوغاتیں تقسیم ہوئیں، اَب حالات بدل گئے، نفرتوں کی آندھیاں چلائی جارہی ہیں، فرقہ پرستی کے بیج بوئے جارہے ہیں، دستورِ ہند میں نقب لگائی جارہی ہے، ہندستانیوں کے شہری حقوق اور آزادی چھیننے کی کوشش کی جارہی ہے، ملک کے قانون کی دھجیاں صاحبانِ اقتدار بکھیر رہے ہیں، دستور کی دفعات ۱۴/۱۵/۲۱ رکی مخالفت میں قانون پاس کیے جارہے ہیں، ان کی نفرتوں کی آندھیاں پورے ملک کو خاکستر کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔

انصاف کا خون

ہندستان کی آزادی کے بعد سے مسلسل مسلمانوں پر یورش رہی ہے، مسلم معاشرت، تمدن، تہذیب وثقافت پر حملہ رہا ہے، مذہبی آزادی کو کچلنے کی کوششیں رہی ہیں، فسادات میں نسل کشی کی گئی، عصمتوں کو لوٹا گیا، ماب لنچنگ کے ذریعے بے گناہوں کو قتل کیا گیا، شریعت اسلامی کے مغائر قانون بنائے گئے، ہندستانی مسلمانوں کو اذیتیں دی گئیں، زخم دیئے گئے "بابری مسجد" دن دہاڑے شہید کردی گئی، سپریم کورٹ میں معاملہ گیا، مسلمانوں نے اُمید رکھی کہ شہید کرنے والے "فسادیوں" پر کارروائی کی جائے گی، انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں گے، لیکن معاملہ اُلٹا ہوگیا، اکثریت کو اہمیت دی گئی، انصاف کو تج دیا گیا اور زمین اُٹھا کر مندر کے لیے دے دی گئی، جمہوری

*مضمون نگار نوری مشن مالے گاؤں مہاراشٹرا کے رکن ہیں۔

ملک میں منصفانہ اُصول بالائے طاق رکھ دیئے گئے، کیا یہی انصاف ہے؟، اگر عدلیہ بھی دیانت و انصاف کی بنیادیں کھو دے تو پھر جمہوریت کا تحفظ کیسے ہوگا؟

حال کا المیہ یہ ہے کہ اقتدار کے منصب سے جب بھاجپا دوبارہ سرفراز ہوئی؛ فوراً بابری مسجد کا فیصلہ مسجد کے خلاف ظاہر کیا گیا، آسام میں این آرسی جو پہلے سے نافذ تھی؛ جس کا تعلق شہریت (Citizenship) سے تھا جو وہاں کے سیاسی و سرحدی حالات کے نتیجے میں رونما ہوا، اب اسے پورے ملک میں نافذ کرنے کا اعلان ہے، شہریت سے متعلق کاغذات نہ پیش کر پانے والے بھارتیوں کو گھس پیٹھیہ قرار دینے کا عندیہ دیا گیا، پھر زَد میں آنے والے غیر مسلموں کو شہریت دینے کے لیے CAA لایا گیا، جس میں صرف مسلمانوں کو ہی باہر رکھا جائے گا، یہ مذہب کی بنیاد پر تعصب و فرقہ پرستی ہے، جو دستورِ ہند کی روح کے منافی بھی ہے، اوّل تو جن کے اَجداد نے ہندستان آزاد کرایا؛ ان سے شہریت کا ثبوت مانگنا بھارتیوں کی توہین ہے، پھر کاغذات کی عدم موجودگی کا بہانہ بنا کر انھیں وِدیسی قرار دینا ظلم و دہشت گردی ہے، ملک کی سیکولر شبیہ خراب کرنے والی حکومت مسلسل تشدد پر آمادہ ہے، بھارتی قانون کے منافی بل کو قانونی شکل دے کر مسلمانوں اور اقلیتی طبقوں سے انتقام کا یہ آغاز ہے۔

سونے والوں جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

اب وقت ہے جاگنے کا، بیدار ہو لینے کا، ہمیں آئین ہند نے پُرامن احتجاج کا حق دیا ہے، اب پورے ملک میں انصاف پسند عوام میدان میں اُتر چکی ہے، عوام نہتی ہے، پُرامن ہے، قانون کی حفاظت کے لیے مسلسل آواز بلند کر رہی ہے، تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں کے طلبہ اور باشعور ہندوستانی جمہوری طریقے سے احتجاج کر رہے ہیں، مودی حکومت جھکنے تیار نہیں، ان کا منصوبہ بھارت کو ’’ہندوراشٹر‘‘ بنانے کا ہے، منواسمرتی کا ہے، اسی لیے آئین کے سیکولر مزاج کو بدلنے کی کوشش کی جا رہی ہے، ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کے بنائے ہوئے اس قانون کو بدلا جا رہا ہے؛ جس سے بھارتیوں کا اَمن و انصاف برقرار ہے، دستورِ ہند سے کھلواڑ کر رہے ہیں، مظاہرین پر تشدد کیا جا رہا ہے، طاقت سے جمہوری آواز نہیں روکی جا سکتی، جب غبار چھٹے گا... لہو کی سرخی سے صبحِ تابندہ نمودار ہوگی، بھارتیوں کی جدو جہد رنگ لائے گی، انصاف کا سویرا طلوع ہوگا، لیکن اس کے لیے قربانیوں کی کئی شاموں سے گزرنا ہوگا، احتجاج جاری رکھنا ہوگا۔

ابھی یہ مشاہدہ ہو رہا ہے کہ مودی حکومت کو میر جعفر و میر صادق کی تلاش ہے، ماضی میں بھی بِکنے والے بِکتے رہے، مسلمان زندہ رہے، حال میں بھی لگتا ہے کہ مولوی و بے شرع صوفی خریدے جائیں گے اور جنٹل مین بھی، جو قوم کی کشتی غرق کرنے پر تُلے ہوں گے، اس لیے یقیں محکم اور عمل پیہم کی راہ سے رُو گرداں نہ ہوں، عزائم بلند رکھیں، مشیت کی مدد آئے گی، عمل کی شاہراہ اگر آراستہ ہوگی تو خدائی مدد کے توشے ضرور نازل ہوں گے، ظلم کی شام چھٹے گی، اُمید کے اُجالے ظاہر ہوں گے لیکن! اس کے لیے ہمیں قائدینِ انقلابِ آزادیِ ہند اور اسلافِ کرام بالخصوص علامہ فضل حق چشتی خیرآبادی کے نقوشِ قدم پر چلنا ہوگا، ممکن ہے کہ ہر طرح کی قربانیاں دینی پڑے، نئی آزادی کی تگ ودَو کرنی ہوگی، آئین ہند کی حفاظت کی خاطر مسلسل بیدار رہیں، شاہراہِ ایمان پر استقامت کے ساتھ چلیں، راہ اگر طویل ہوجائے تو مایوس ہرگز نہ ہوں، منافقین و مشرکین کے ایجنٹوں سے باخبر رہیں تاکہ بھارت کا حسن پھر لوٹ آئے، لٹیرے انجام کو پہنچیں۔

آج بھی ہو جو براہیم سے ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

ص ۶ ر کا بقیہ..........

محبت آپ کی رگوں میں خون بن کر دوڑتی تھی، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اعلیٰ حضرت کا نام وردِ زبان ہوتا، اگر یہ کہا جائے کہ اعلیٰ حضرت سے آپ کا قلبی تعلق ’’عشق‘‘ کی حد تک تھا تو بے جا نہ ہوگا، آپ کی رحلت سے ہم ایک عظیم رہنما اور ایک بلند پایہ محقق سے محروم ہو گئے، مولائے کریم آپ کے درجات بلند فرمائے اور قوم کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔ ◆◆◆

از: حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان

دوسری قسط

ایمان، کفر اور تکفیر

نقد و نظر

◄■گزشتہ سے پیوستہ■►

أو الاستخفاف به، ومثل ذلك كما قاله الحليمي مالو تمنى في وقت نبي من الأنبياء الله أنه هو النبي دون ذلك النبي، أو في زمن نبينا أو بعده أن لو كان نبيًا أو أنه صلى الله تعالى عليه و سلم لم تكن النبوة به فيكفر في جميع ذلك، والظاهر أنه لافرق بين تمني ذلك باللسان أو القلب۔ [الإعلام ص ۲۶]

اس عبارت جامعہ میں جہاں کئی امور کا اجمالی طور پر احاطہ کیا، اقتصاد کی مذکورہ عبارت کا وہ مفہوم بھی بیان کیا جسے اقتصاد میں خوب مدلّل فرمایا لہٰذا اس کا مضمون نگار کو مسلم ہونا ضرور ہے اور یہ اس پر ضرور حجت ہے کہ الاقتصاد اس کی مستند کتاب ہے۔

اگر مضمون نگار نے نہ دیکھا تو اب دیکھے کہ "الاقتصاد" میں معنیٰ "خاتم النبیین" میں وہ کچھ تاویلیں ذکر کیں جو بظاہر بنتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں مگر انہیں یک لخت رد کر دیا تو قاسم نانوتوی کی مذکورہ تاویل کیوں کر قابل قبول ہوگی؟ پھر یہ تاویل ہے یا تحویل؟ اسے تاویل ماننا کیوں کر صحیح؟ جب کہ یہ تاویل مزعوم کسی طرح معنئ خاتم النبیین سے مفہوم نہیں ہوتی۔ پھر اس تاویل بے جا سے ختم نبوت کا انکار، صریح احادیث کی تکذیب اور اجماع کا رد ہی نہیں ہوتا بلکہ انبیائے سابقین کی نبوت کا بھی انکار صاف ظاہر ہے کہ اس تاویل کا خلاصہ خود قاسم نانوتوی نے لکھا کہ آپ نبی بالذات ہیں اور انبیا نبی بالعرض ہیں۔ کیا یہ اس کا صاف معنی نہیں کہ انبیا حقیقۃً نبوت سے موصوف نہیں، نبوت ان کا وصف عارض ہے، کیا وصف عارض ذات کا وصف حقیقی ہے یا یہ کہ ذات اس سے حقیقۃ موصوف نہیں جیسے چلتی کشتی میں بیٹھے ہوئے انسان کی عارضی حرکت، کہ حرکت حقیقۃً کشتی میں ہے اور بیٹھا ہوا انسان متحرک نظر آتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ قادیانی کافر ہیں اور دیوبندی مسلمان؟ حالانکہ دونوں مکذّب قرآن، مکذب حدیث اور منکر اجماع اور دیگر انبیا کی نبوت کے نافی۔

امکان ذاتی تو بہت پرزور انداز میں بتایا مگر کیا یہی امکان ذاتی ہے کہ خاتم النبیین کا معنی جو اجماعی ہے اسے جاہلوں کا خیال بتا کے رد کیا جائے پھر انکار پر مزید زور دے کر یہ کہا جائے کہ "تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کوئی فضیلت نہیں" پھر اس تمہید پر یہ چنائی اٹھائی جائے کہ "اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نبی فرض کیا جائے تو بھی خاتمیت محمدی میں فرق نہ آئے گا"۔

کیا امکان ذاتی کو اسی طور پر بولا جاتا ہے، یا یہ امکان وقوعی ہے؟ اور اگر یہ امکان وقوعی ہے اور ضرور ہے تو مضمون نگار نے جو یہ کہا کہ سب اس کو ممتنع بالغیر مانتے ہیں کیسے صحیح ہے؟

حضور تاج الشریعہ نے غالباً ۲۰۱۴ء میں نوح حا میم کیلر کے ایک انگریزی مضمون کا رد انگریزی ہی میں **A JUST ANSWER TO THE BIASED AUTHOR** کے عنوان سے تحریر فرمایا تھا، جسے انگریزی داں طبقے میں کافی پذیرائی ملی، یہ مضمون سنی دنیا کے ہندی شمارے میں قسط وار شائع ہو رہا ہے، مضمون کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر حضو تاج الشریعہ نے اس کا ترجمہ اردو میں بھی تحریر فرما دیا تھا، مضمون کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر افادۂ عام کے لئے ہم اسے قسط وار شائع کر رہے ہیں، قارئین کرام سے التماس ہے کہ اپنے تأثرات ہمیں ضرور ارسال فرمائیں۔

فاروقی

مضمون نگار پہلے یہ اقرار کر چکا کہ "آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں ہوگا جب کہ عربی میں لفظ خاتم کو اگر تسلسل میں مضاف قرار دیا جائے یعنی کسی تسلسل کا آخر جس پر یہ سلسلہ ختم ہو اور اس میں کوئی اضافہ نہ ہو، یہی ایک امکانی مطلب اس لفظ کا اس تناظر میں ہے"۔ [ص ۲۰]

کیا یہ کھلا اعتراف نہیں کہ خاتم النبیین کے اور معنی ممکن نہیں تو بلحاظ خاتم النبیین مضمون نگار کے اس قول کی کیا گنجائش جو اس سے پہلے کہا کہ "یوں تو یہ جائز عقلی کے زمرے میں آئے گا اور معنی خاتم النبیین سے صرف نظر سے جائز عقلی میں کفر سے مفر سہی مگر معنی خاتم النبیین سے صرف نظر کی کس مومن نے ٹھرائی، اور جب معنی خاتم النبیین خاتم میں ملحوظ اور ہر مومن کے ذہن و دل میں ہر وقت موجود، تو اس کے ہوتے یہ کیسے بقول مضمون نگار جائز عقلی کے زمرے میں آئے گا؟ مضمون نگار خاتم النبیین کے امکانی معنی بتا کر یہ کہتا ہے" کیا اس بارے میں اختلاف تھا جب کہ متفقہ طور پر تمام امت کے علما کا اجماع ہے اور واضح طور پر خود سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں بیان فرمایا مثلاً مسند امام احمد وغیرہ میں سے کہ "رسالت اور نبوت ختم ہو چکی اور میرے بعد نہ کوئی نبی آئے گا نہ کوئی رسول"۔ [ص ۲۰]

مضمون نگار کا یہ جملہ استفہام انکاری ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس باب میں اختلاف کا انکاری ہے، اس پر خود اس کا لاحقہ جملہ قرینۂ واضحہ ہے جس میں اس نے صاف صاف اس پر علمائے امت کے اجماع کا اقرار کیا ہے، کیا اس کی روشنی میں دیوبندی کتاب وسنت کے انکار کے ساتھ اجماع امت کے منکر نہ ہوئے؟ ضرور ہوئے، خود اسی کے اقرار کے بموجب منکر اجماع ہوئے۔ مضمون نگار اپنی تمہید کے دوسرے صفحہ پر یہ لکھتا ہے: "کہ وہ امور جنہیں سب جانتے ہیں، پہلی قسم میں کسی چیز کا انکار کھلا کفر ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت رسولوں کے اوصاف یہ کہ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر رسالت ختم ہو گئی [إلی قولہ] امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان جو کسی ایسی بات کا انکار کرے جو ضروریات دین میں سے ہو اسے کافر اور گمراہ قرار دیا جائے گا۔" [ص ۲]

مضمون نگار کی مندرجہ بالا عبارت اور صفحہ ۲۰ پر اس کا یہ کہنا کہ کیا اس میں اختلاف تھا الخ، اس امر کی صاف تصریح ہے کہ مسئلہ ختم نبوت ضروریات دین سے ہے، اس پر اجماع امت ہے اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں اور اس میں کسی کے خلاف کا اعتبار نہیں، پھر کیوں اپنے اقرار کو جھٹلاتا ہے اور صفحہ ۲۱ پر امکان کذب اور مسئلہ ختم نبوت کو دیگر مسائل کے ساتھ ملا کر یہ کہتا ہے کہ "ان چھ سوالات کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی خالصہ عقیدے کا مسئلہ نہیں ہے۔" اور اپنے مسلمہ اصول کو توڑتا ہے اور دیوبندیوں کی عدم تکفیر کے لئے یوں تمہید اٹھاتا ہے:

"ایمان اور کفر کا پیمانہ ان امور کو نہیں بنایا جا سکتا جن پر علما کا اختلاف ہو، چاہے وہ قرآن، حدیث یا انسانی سوچ [غیر جذباتی] کے شواہد کی بنا پر ہو۔" [ص ۳]

پھر پہلے کیوں کہا تھا "کیا اس میں کوئی اختلاف تھا" اور یہ کیوں مانا تھا اور کہا تھا کہ "پہلی قسم میں کسی چیز کا انکار کھلا کفر ہے" اور جب پہلے وہ مان لیا تو آخر میں اختلاف علما کی آڑ کیوں لی اور صفحہ ۲۰ پر وہ عبارت کیوں لکھی جو ابھی گزری۔ کیا یہ اقرار سے فرار نہیں؟ اور انکار پر اصرار نہیں؟ کیا یہ پتہ نہیں دیتا کہ مضمون نگار کو کسی طرح قرار نہیں؟ اسی اضطراب اور عدم استقرار کا ایک اور نمونہ یوں پیش کیا کہ "بشرطیکہ یہ عالمانہ سوچ پر مبنی ہو یعنی کم از کم:

ا— یہ قرآن اور سنت کی ایسی تخیلاتی تشریح پر مبنی نہ ہو جس سے عربی زبان کے قواعد اور الفاظ کے استعمال کی نفی ہوتی ہو۔

ب— یہ کسی اور بیان صریح کی نفی نہ کرتا ہو۔

ج— اجماع کے خلاف نہ ہو۔ الخ

د— ب اور ج سے اخذ کیے گئے قیاس کی نفی نہ کرتا ہو۔ [ص ۳، ۴]

مضمون نگار کی مندرجہ بالا عبارت سے تمہید ہی میں کیا دیوبندیوں کی تمام عبارتوں کا فیصلہ نہ ہو گیا؟ کیا مضمون نگار نے سب کا کام تمام نہ کر دیا؟ کیا مضمون نگار نے اوّلاً و آخراً یہ نہ مان

لیا کہ ضروریاتِ دین اور اجماعِ امت میں کسی مخالف کے خلاف کا اصلاً اعتبار نہیں، پھر اختلاف کو یہ کہ کر رد نہ کر دیا کہ قرآن اور سنت کی ایسی تخیلاتی تشریح پر مبنی نہ ہو جس سے عربی زبان کے قواعد اور الفاظ کے استعمال کی نفی ہوتی ہو۔

مضمون نگار کو اپنے اوپر کے جملوں میں غور کرنے کی دعوت دیجیے، خود ہی کہا کہ پہلی قسم میں سے کسی چیز کا انکار کھلا کفر ہے اور خود ہی یہ مانا کہ اس [یعنی مسئلہ ختم نبوت] میں کسی کا اختلاف نہ تھا اور اس کے باوجود صفحہ ۲۰/ پر یہ لکھا کہ "ان چھ سوالات کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی خالصہ عقیدے کا مسئلہ نہیں ہے" اور اس طرح امتناعِ کذبِ باری اور مسئلہ ختم نبوت کو نہ صرف ضروریاتِ دین سے خارج کیا بلکہ اس کے خالصہ عقیدے کا مسئلہ ہونے کی بھی نفی کر دی، یہ تضاد نہیں تو کیا ہے؟

پھر سب کو بھلا کر یہ کہتا ہے کہ ایمان و کفر کا پیمانہ ان امور کو نہیں بنایا جا سکتا جن پر علما کا اختلاف ہو اور یہاں اختلاف کو معتبر مانتا ہے پھر اس اختلاف میں شرطیں لگاتا ہے اور اس طرح اختلاف کو رد کرتا ہے، کیا وہ ثابت کر سکتا ہے کہ خاتم النبیین کے وہ معنی جو نانوتوی نے بتائے وہ تخیلاتی تشریح پر مبنی نہیں اور اس سے عربی زبان کے قواعد اور الفاظ کے استعمال کی نفی نہیں ہوتی اور کیا اس سے بیانِ صریح کی نفی نہیں ہوتی اور اسی طرح کیا خلیل احمد کی عبارت صریح آیات کی نفی نہیں کرتی اور کیا اشرفعلی کی عبارت قرآن کے صریح مفاد کی نافی نہیں حالانکہ خود ہی ان عبارتوں کو کھلی گستاخی مانتا ہے، کیا یہ تناقضوں کا انبار نہیں، چنانچہ ص ۲۸/ پر لکھا ہے:

"خلاصہ یہ ہے کہ خلیل احمد سہارنپوری کا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کا شیطان کے علم سے جو کہ موقف کے ایسی بات ہے کہ چند ہی مسلمانوں کو روا ہوگا۔ چاہے خلیل احمد نے اسے حکیمانہ کارنامہ سمجھا ہو کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم شیطان سے بھی کم ہے۔ [معاذ اللہ] تو یہ اللہ تعالیٰ کے علم سے بے پناہ کم ہوگا یا اس کا باعث کچھ بھی رہا ہو، اس نے اس عبارت میں شدید ٹھوکر کھائی ہے۔ کسی بھی ماضی کے اسلامی معاشرے میں چاہے حیدرآباد ہو یا کابل، بغداد ہو یا قاہرہ، فاس ہو یا دمشق، المختصر یہ کہ اس کے دور کے برٹش انڈیا کے سوا دنیا کے تمام مسلمان ان الفاظ کو ذلّت آمیز اور ناقابلِ قبول پاتے۔"

ص ۳۱/ پر لکھا:

"اب اگر پلٹ کر پیچھے دیکھیں تو اس بات پر کوئی بھی حیران ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا کہ خلیل احمد اور اشرف علی کے دوستوں، استادوں اور شاگردوں نے ان لوگوں کے مخالفوں سے قبل اختلاف کیوں نہ کیا اس بات پر کہ ان سے پہلے کب کسی عالم دین نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم مبارک کا کسی شیطان، مجنون یا کسی جانور کے علم سے موازنہ کیا ہو، چاہے یہ موازنہ کسی نکتہ کو سمجھانے کے لیے ہی کیا گیا ہو، شاید ہی کسی مسلمان کے لیے ایسی بات یا ایسا موازنہ اپنے باپ کے لیے بھی قابلِ قبول ہو؟ چہ جائیکہ ایسی بات اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے لیے کی گئی ہو ایسی بات بغیر کسی شبہے کے کھلی بے ادبی اور گستاخی ہے جس کا دفاع ناممکن ہے لیکن یہ کفر کے زمرے میں نہیں آتی ہے۔"

اور ثابت کیسے کرے گا جب کہ مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں خود انہیں صریح بیان کا نافی، قرآن وسنت کے خلاف، کھلی گستاخی، تمام مسلمانوں کے نزدیک ان الفاظ کو ذلّت آمیز اور ناقابلِ قبول مان لیا، تو یہاں اگرچہ وہ الفاظ نہ دہرائے جو تمہید میں درج ہوئے یعنی قرآن وسنت کی ایسی تخیلاتی تشریح پر مبنی نہ ہو [إلی قوله] کسی اور بیانِ صریح کی نفی نہ کرتا ہو۔ لیکن مندرجہ بالا عبارتوں میں اس کا اعتراف مکرر صاف پتہ دیتا ہے کہ اس نے تمہید میں جو شرط لگائی تھی وہ یہاں مفقود ہے، تو اپنے منہ ایسے اختلاف کو نامعتبر بتایا پھر اسے معتبر مانا جبھی تو دیوبندیوں کی عدمِ تکفیر پر قائم ہے یہ کھلا تناقض نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ خود ہی ص ۲۸/ پر یہ اعتراف کیا کہ "دنیا کے تمام مسلمان ان الفاظ کو ذلّت آمیز اور ناقابلِ قبول پاتے" اور یہ بھول گیا کہ وہ اس سے پہلے خلیل احمد سہارنپوی کے الفاظ کے متعلق یہ کہہ چکا کہ "نامناسب

موازنہ قطع نظر اس کے موقف کے ایسی بات ہے کہ چند ہی مسلمانوں کو روا ہوگا" قطع نظر اس کے کہ یہ دونوں جملے نفی واثبات میں متناقض ہیں کہ وہاں چند ہی مسلمان کہا اور یہاں دنیا کے تمام مسلمان کہا اور وہاں ایسے الفاظ گوارا کرنے والوں کو مسلمان کہا اور یہاں" دنیا کے تمام مسلمانوں" کہہ کر ان کے اسلام کی نفی کر دی، اس تناقض در تناقض کے باوجود کیا اسی کے منہ سے یہ ثابت نہ ہو گیا کہ ایسی بات کسی مسلمان کے منہ سے نہیں نکل سکتی، ایسی ہی بات کو تو امام ابن حجر نے زواجر میں فرمایا:

"فمن أنواع الكفر والشرك أن يعزم الإنسان عليه في زمن بعيد أو قريب أو يعلقه باللسان أو القلب على شيء ولو محالا عقليا فيما يظهر، فيكفر حالا أو يعتقد ما يوجبه أو يفعل أو يتلفّظ بما يدلّ عليه سواء أصدر عن اعتقاد أو عناد أو استهزاء۔ وفي معنى ذلك كل من فعل فعلا أجمع المسلمون على أنه لايصدر الامن كافر وإن كان مصرحا بالإسلام كالمشي إلى الكنائس مع أهلها بزيهم من الزنانير وغيرها۔ یعنی کفر وشرک کے اقسام میں ایک بات یہ ہے کہ انسان کفر کا پختہ ارادہ مستقبل بعید یا مستقبل قریب میں کرے، یا کسی شی پر اس کو دل یا زبان سے معلق کرے اگر چہ وہ شی محال عقلی ہو تو اس صورت میں فی الحال کافر ہو جائے گا یا ایسی بات کا اعتقاد کرے جو کفر کی موجب ہو یا ایسا کام کرے یا ایسی بات منہ سے نکالے جو کفر پر دلالت کرتی ہو خواہ یہ بات اس کے اعتقاد سے صادر ہو یا عناد کی بنا پر ہو [یعنی اس کو ناحق جانے پھر بھی ہٹ دھرمی کرے اور وہ بات زبان سے ادا کرے، یہی عناد کے معنی ہیں اور یہ کفر عنادی ہے] یا ہنسی میں ایسی بات بولے یا وہ کام کرے [إلى أن قال] اور یہی حکم ہر اس شخص کا ہے جو ایسا کام کرے جس کے بارے میں مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وہ کافر سے ہی صادر ہوگا، اگر چہ کھلم کھلا اسلام کا دعویٰ کرتا ہو جیسے کفار کے ساتھ ان کے خاص لباس زنار وغیرہ میں گرجے میں جانا الخ۔"

امام ابن حجر مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارت میں فعل کا ذکر اتفاقی ہے اور حکم ہر اس قول کو بھی شامل ہے جس کے بارے میں مسلمانوں کا اجماع ہو کہ وہ کسی مسلمان سے صادر نہیں ہو سکتا کما لا یخفیٰ، یا فعل کا مفہوم عام ہے جو فعل زبان وقلب کو بھی شامل ہے۔

ہم نے عبارت کچھ اوپر سے لے لی اس لیے کہ عبارت کا آخری جملہ اوپر سے مرتبط تھا پھر اس میں کچھ فوائد مہمّہ بھی ہیں جو جواب میں کارآمد ہیں ان کا اعادہ ہو سکتا ہے۔ اس عبارت میں ہمارے لیے شاہد یہ آخری جملہ ہے، جس کا معنی مضمون نگار نے یوں ادا کیا کہ تمام دنیا کے مسلمان الخ، کیا اس طرح اس کے کفر ہونے پر اجماع مسلمین تسلیم نہ کر لیا ضرور کر لیا، اب یہ تناقض دیکھیے کہ اپنے ہی اقرار کو یوں انکار میں بدلتا ہے اور کہتا ہے کہ پھر بھی یہ کفر کے زمرے میں نہیں آتا، آخر کیوں؟ اور بقول مضمون نگار یہ کفر کے زمرے میں نہیں آتا، تو اس کی صراحت کے بموجب یہ ایمان ہے اس لیے کہ ایمان اور کفر میں واسطہ نہیں، لہٰذا جب اس کے کفر ہونے کی نفی ٹھہری تو مضمون نگار کی تصریح کے بموجب ایمان ٹھہرا اس لیے کہ دو نقیضیں نہ باہم اکٹھی ہوتی ہیں نہ ایک ساتھ دونوں معدوم ہوتی ہیں اور جب یہ کفر کے زمرے میں نہیں آتا تو ایسی بات کے باوجود جو بقول مضمون نگار ذلّت آمیز، نا قابل قبول، کھلی بے ادبی اور گستاخی جس کا دفاع ناممکن، مضمون نگار کے نزدیک دیوبندی مسلمان کیوں نہ ٹھہریں گے اور انہیں کافر کہنے والے خاطی کیوں نہ ہوں گے، مضمون نگار سے اس پر کیا کہا جائے، تمام صحیح العقیدہ مسلمان بلکہ ہر منصف یہ دیکھے کہ اقرار و انکار اور نفی واثبات کا یہ کیسا اجتماع ہے کہ اس کے ساتھ ضروریات دین، اجماع مسلمین، اصول اسلام، کفر وایمان سب نا معتبر، کفر وایمان کا تفرقہ بے اثر، اپنے منہ سے جسے چاہو کفر کہو پھر اسی کو ایمان ٹھہراؤ، اس سے ایمان کو کیا ضرر؟ اب ہمارا پہلا سوال یاد کیجئے کیا ہم نے پہلے ہی یہ سوال نہ کیا تھا کہ" پیشگی اس نتیجہ کی تصریح ہے جو اختتام پر نکلتا یعنی دیوبندی کسی طور پر کافر نہیں اور

نقد و نظر

انہیں کافر کہنا غلطی ہے۔"

بلکہ اس سے بڑھ کر کیا یہ آشکار نہیں کہ ضروریات دین کا انکار ہو، اجماع مسلمین رد ہو، بیان صریح کی نفی ہو، تمام دنیا کے مسلمانوں کے نزدیک ذلّت آمیز ناقابل قبول ہو، کھلی گستاخی ہو جس کا دفاع ناممکن ہو پھر بھی کفر نہیں۔ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

مضمون نگار نے دیوبندیوں کو کفر سے بچانے کے لیے جگہ جگہ بالقصد کی جو شرط لگائی جیسا کہ صفحہ ۱۳ ر پر کہا کہ جب اس کی نیت کفر پر مبنی ہو، عبارت کی ہر لحاظ سے انتہا نیت پر ہو، اور کسی کے بیان کردہ الفاظ ہر جگہ اہانت کے معنی میں ہی لیے جاتے ہوں، اس کی نیت پر ہی دلالت کر رہے ہوں۔۔۔ کچھ ایسے کلمات جو کہ بظاہر اہانت خدا و رسول [صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم] کہے جا سکتے ہیں تاہم بولنے والے کی نیت جائز نکتہ ثابت کرنے کی ہو تو یہ کفر نہیں۔ [ص ۱۳]

ہماری اس تقریر سے اس کا جواب آشکار ہے یہاں مضمون نگار سے سوال یہ ہے کہ {جس طرح دیوبندیوں کو کفر سے بچانے کے لیے قصد کی آڑ لے کر ان کی عبارات کے بارے میں اپنے اعترافوں کو بھلا کر صاف یہ کہہ دیا مگر یہ کفر کے زمرے میں نہیں آتی کیا یہاں بھی یہ کہے گا کہ اس کے لفظ کا یہ مفہوم مخالف کفر کے زمرے میں نہیں آتا، اس لیے کہ اس نے اس کا قصد نہیں کیا، یہ کیسا اصول ہے کہ قائل اگر قصد نہ کرلے تو اس کا قول کفر نہ ٹھہرے اگرچہ مضمون نگار کے نزدیک بھی قرآن وسنت کی تخیلاتی تشریح، بیان صریح کے مخالف کھلا کفر، ضروریات دین کا انکار، تمام مسلمانوں کے لیے ناقابل قبول، جس کا دفاع ناممکن ہو۔}

.........جاری

ص ۲۲ ر کا بقیہ.........

اس کی اجازت نہیں ہے کہ کوئی اپنے کپڑے کو پاجامے میں گھر سے یا آستین کو لپیٹے یا پاجامے کو لپیٹے۔

عرض...۲۰: برائے کرم جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے فوائد سے متعلق چند الفاظ ارشاد فرمائیں؟ (انگریزی سوال)

ارشاد...: اس کے بے شمار فوائد ہیں سنیوں کے لئے ہمارے پیارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف منانے پر، اس سے برکت ہوتی ہے اور یہ اہل سنت وجماعت کی نشانی ہے اور جس گھر میں میلاد شریف ہوتا ہے اس گھر میں حضور سرور عالم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم کی بے شمار برکتیں ہوتی ہیں اور یہ اللہ عزوجل ورسول اللہ صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم کو خوش کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

عرض...۱۷: کیا ہمیں نائک اور پوما کی مصنوعات سے گریز کرنا چاہئے کہ انہوں نے جوتوں پر اسلامی خطاطی متعارف کرائی یا ہمیں صرف ان مخصوص جوتوں سے ہی گریز کرنا چاہئے؟ (انگریزی سوال)

ارشاد...: جو خاص جن میں یہ نشان ہیں اس کو تو چھوڑنا ہی لازم ہے اور کمپنی کا بھی بائیکاٹ کرے تاکہ ان کو نصیحت ہو اور وہ اس قسم کی جرأت نہ کرے۔

عرض...۱۸: ہم اپنے آپ کو پوری طرح اسلام میں منہمک کر کے اپنے اوپر بوجھ ڈال لیں یا صرف اسلام کی بنیادی باتیں ہماری زندگی گزارنے کے لئے کافی ہیں؟ (انگریزی سوال)

ارشاد...: یہ اردو میں سوال کرے اور جس طور پر یہ سوال کیا ہے اس سے تو اسلام کی تعلیمات سے یا اسلام کے احکام سے بیزاری معلوم ہوتی ہے اور اس کو بوجھ تصور کرنا یہ اسلام کے احکام سے بیزاری کا نشان ہے اور اسلام کے جو احکام ہیں ان کے تحت آدمی کو زندگی گزارنا چاہئے اور جہاں تک ہو سکے اور اگر شامت اعمال سے وہ روگردانی کرتا ہے تو یہ کم سے کم درجہ ہے کہ جو کچھ اسلام کے احکام ہیں احکام شرع کو ان کے آگے سر تسلیم خم کرے اور ان کو مانے اور ان کو اپنے لئے بوجھ نہ سمجھے۔

عرض...۱۹: کیا مسلمان لڑکیاں ٹی شرٹ اور جینز پہن سکتی ہیں جیسا کہ دور حاضر میں یہ فیشن بن چکا ہے؟ (انگریزی سوال)

ارشاد...: اس کی اجازت نہیں ہے۔

.........جاری

نقد ونظر

بزم نسواں

از: عالمہ نغمہ جمال*

خوش حال زندگی کا راز

ایک بوڑھی خاتون کا انٹرویو جنھوں نے اپنے شوہر کے ساتھ پچاس سال کا عرصہ نہایت ہی پرسکون طریقے سے ہنسی خوشی گزارا، خاتون سے پوچھا گیا کہ اس پچاس سالہ پرسکون زندگی کا راز کیا ہے؟

کیا وہ کھانا بنانے میں بہت ماہر تھیں؟ یا پھر ان کی خوب صورتی اس کا سبب ہے؟ یا ڈھیر سارے بچوں کا ہونا اس کی وجہ ہے یا پھر کوئی اور بات ہے؟

بوڑھی خاتون نے جواب دیا: پرسکون شادی شدہ زندگی کا دار و مدار اللہ کی توفیق کے بعد عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے، عورت چاہے تو اپنے گھر کو جنت بنا سکتی ہے اور چاہے تو اس کے برعکس یعنی جہنم بھی بنا سکتی ہے، اس سلسلے میں مال و دولت کا نام مت لیجیے، بہت ساری مالدار عورتیں ایسی ہیں جن کی زندگی اجیرن بنی ہوئی ہے، شوہر ان سے بھاگا بھاگا رہتا ہے، خوش حال شادی شدہ زندگی کا سبب اولاد بھی نہیں ہے، بہت ساری عورتیں ایسی ہیں جن کے چھ چھ سات سات بچے ہیں پھر بھی وہ شوہر کی محبت سے محروم ہیں بلکہ طلاق تک کی نوبت آجاتی ہے، بہت ساری خواتین اعلی سے اعلی ترین کھانا پکانے میں ماہر ہوتی ہیں، دن دن بھر نئے سے نیا اور اچھے سے اچھا کھانا بناتی رہتی ہیں لیکن پھر بھی انہیں ہر روز شوہر کی بدسلوکی کی شکایت رہتی ہے۔

انٹرویو لینے والی خاتون صحافی کو بہت حیرت ہوئی اس نے پوچھا: پھر آخر آپ کی اس خوشحال زندگی کا راز کیا ہے؟

بوڑھی خاتون نے جواب دیا: جب میرا شوہر انتہائی غصے میں ہوتا ہے تو میں خاموشی کا سہارا لے لیتی ہوں لیکن اس خاموشی میں بھی احترام شامل ہوتا ہے، میں افسوس کے ساتھ سر جھکا لیتی ہوں، ایسے موقع پر بعض خواتین خاموش تو ہو جاتی ہیں لیکن اس میں تمسخر کا عنصر شامل ہوتا ہے، اس سے بچنا چاہیے، سمجھدار آدمی اسے فوراً بھانپ لیتا ہے۔

نامہ نگار خاتون نے پوچھا: ایسے موقع پر آپ کمرے سے نکل کیوں نہیں جاتیں؟

بوڑھی خاتون نے جواب دیا: نہیں ایسا کرنے سے شوہر کو یہ لگے گا کہ آپ اس سے جان چھڑا رہی ہیں، اس کی کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتی ہیں، ایسے موقع پر خاموش رہنا چاہیے اور جب تک وہ پرسکون نہ ہو جائے اس کی کسی بات کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے، جب شوہر کسی حد تک پرسکون ہو جاتا ہے تو میں کہتی ہوں: پوری ہو گئی آپ کی بات؟ پھر میں کمرے سے چلی جاتی ہوں، کیونکہ میرا شوہر بول بول کر تھک چکا ہوتا ہے اور چیخنے چلانے کے بعد اب اسے تھوڑے آرام کی ضرورت ہوتی ہے، میں کمرے سے نکل جاتی ہوں اور اپنے معمول کے کاموں میں مصروف ہو جاتی ہوں بس۔

خاتون صحافی نے پوچھا: اس کے بعد آپ کیا کرتی ہیں، کیا آپ بول چال بند کرنے کا اسلوب اپناتی ہیں؟ ایک آدھ ہفتہ بات چیت ہی نہیں کرتیں؟

بوڑھی خاتون نے جواب دیا: نہیں تو، اس بری عادت سے ہمیشہ بچنا چاہیے، یہ دو دھاری ہتھیار ہے، جب آپ ایک ہفتے تک شوہر سے بات چیت نہیں کریں گی ایسے وقت میں جب کہ اسے آپ کے ساتھ مصالحت کی ضرورت ہے تو وہ اس کیفیت کا عادی ہو جائے گا اور پھر یہ چیز بڑھتے بڑھتے خطرناک قسم کی نفرت کی شکل اختیار کر لے گی۔

صحافی نے پوچھا، پھر آپ کیا کرتی ہیں؟

بوڑھی خاتون بولیں: میں دو تین گھنٹے بعد شوہر کے پاس

* مرسلہ نگار جامعۃ الزہرا مخدوم سرائے، سیوان، بہار کی معلمہ ہیں۔

ایک گلاس جوس یا ایک کپ کافی لے کر جاتی ہوں اور محبت بھرے انداز میں کہتی ہوں: پی لیجیے، حقیقت میں شوہر کو اسی کی ضرورت ہوتی ہے، پھر میں اس سے نارمل انداز میں بات کرنے لگتی ہوں، وہ پوچھتا ہے کیا میں اس سے ناراض ہوں؟ میں کہتی ہوں: نہیں تو، اس کے بعد وہ اپنی سخت کلامی پر معذرت ظاہر کرتا ہے اور خوبصورت قسم کی باتیں کرنے لگتا ہے۔

انٹرویو لینے والی خاتون نے پوچھا: اور آپ اس کی یہ باتیں مان لیتی ہیں؟

بوڑھی خاتون بولیں: بالکل میں کوئی اناڑی تھوڑی ہوں، مجھے اپنے آپ پر پورا بھروسہ ہے، کیا آپ چاہتی ہیں کہ میرا شوہر جب غصے میں ہو تو میں اس کی اس وقت ہر بات کا یقین کرلوں اور جب وہ پرسکون ہو تو اس کی کوئی بات نہ مانوں؟

خاتون صحافی نے پوچھا: اور آپ کی عزت نفس؟

بوڑھی خاتون بولی: پہلی بات تو یہ کہ میری عزت نفس اسی وقت ہے جب میرا شوہر مجھ سے راضی ہو اور ہماری شادی شدہ زندگی پرسکون ہو، دوسری بات کہ شوہر بیوی کے درمیان ''عزت نفس'' نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، جب شریعت کے مطابق میاں بیوی ایک دوسرے کے لباس ہیں تو پھر کیسی عزت نفس؟

[اسی سلسلے میں ایک دوسری تحریر بھی نظر نواز ہوئی، چونکہ یہ تحریر بھی مذکورہ عنوان سے ہی متعلق معلوماتی اور قابل عمل ہے، اس لئے ہم قدر تصرف کے ساتھ یہاں دونوں کو آپس میں ضم کر دیا۔]

بیوی کا شوہر کے لیے سجنا سنورنا

''جو بیوی شوہر کے لیے سجنا سنورنا بند کردے، اس کو شوہر کے دیر سے گھر آنے پر شکایت نہیں ہونی چاہیے'' کچھ دن پہلے یہ مختصر الفاظ فیس بک پر لکھ کر پوسٹ کیا تو خواتین بہنوں کی طرف سے تنقید کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا، یقین جانیں یہ بہنیں خود اپنے ہاتھوں سے شوہر کو دور کرتی ہیں، اس پوسٹ پر بہنوں نے ایسے بے تکے دلائل دیئے جن کا نہ کوئی سر ہے نا پیر ہے، اکثر جو بہنیں کہتی تھیں کہ جمیل صاحب آپ بہت اچھا لکھتے ہیں، وہی بہنیں مجھے آج کہتی نظر آئی کہ آپ کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔

اس موضوع پر اکثر خواتین کا کہنا تھا کہ گھر میں ہزار کام ہوتے ہیں، نوکرانی کی طرح پورا دن گھر میں لگی رہو، گھر سنبھالو، بچے سنبھالو، ان سب کے بعد تیار ہونے کا وقت کہاں ملتا ہے، اگر شوہر چاہتا ہے کہ بیبیاں بناؤ سنگھار کریں تو نوکرانی لا کر رکھ دے۔

ایک تو مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا گھروں میں کون سی فیکٹریاں یا کاروبار چل رہے ہیں جو خواتین دس منٹس شوہر کے لئے نہیں نکال پاتیں، مارننگ شوز ٹاپ پر جا رہے ہیں، ٹائم نہیں تو یہ فضول کے پروگرامز TV پر کون دیکھتا ہے، ٹی وی کا ہر دوسرا ڈرامہ بہترین ریٹنگ کے ساتھ سرفہرست ہے، اگر خواتین کے پاس واقعی وقت نہیں تو یہ فضول کے واہیات اور بکواس پروگرامز، ڈرامے جات دیکھتی کیا؟

ہر دوسری عورت کے پاس اینڈرائڈ موبائل ہے، فیس بک، واٹس اپ، انسٹا گرام ان سے بھرے پڑے ہیں، پوچھو تو صحیح! وقت نہیں تو ان سب پر کیا کرتی ہو؟ گویا دنیا بھر کی فضول کاموں کے لئے ہمارے پاس بے تحاشہ وقت ہے لیکن جو شوہر ہمارے لئے دنیا بھر کی خاک چھانتا ہے اس کے لئے دس منٹس کا بھی وقت ہمیں نہیں ملتا کہ گھر آنے والے ہیں خود کو تھوڑا سیٹ کرلوں۔

شادیوں میں اِن خواتین کو دیکھ لیں، دنیا جہاں کا سرخی پاؤڈر، کریم منہ پر لادلیں گی، خود اپنا شوہر انہیں نہیں پہچان پاتا، گویا ہمارے سارے معاملات دنیا کے لیے ہیں، لیکن اپنے شوہر کے لیے کسی کے پاس وقت نہیں۔

میں یہ نہیں کہتا دلھن بن جائیں، لیکن خود کو تھوڑا مینٹین کریں، دس منٹس نکال کر ہلکی پھلکی اپنی زینت پر لگائیں، یاد رکھیں نیک عورتوں کی صِفات میں سے ایک صِفت یہ بھی ہے کہ شوہر جب بیوی کو دیکھے تو اس کا دل خوش ہو جائے، یہ نیک عورت کی صِفت ہے۔

پُورا دن کا تھکا ہارا مرد گھر میں سکون کے لیے داخل ہوتا ہے، جب بیوی اس کے لئے سکون، آرام اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث بنے گی تو شوہر کے دل میں بیوی کے لئے بقیہ ص ۱۰ / ر پر

بارہویں قسط

از: حضورتاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان

ملفوظات تاج الشریعہ

صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کے ارشادات وفرمودات کو ’’ملفوظات‘‘ کے نام سے جانا جاتا ہے، ہر دور میں صالحین اور اولیائے کاملین کے ارشادات وفرمودات قلم بند کرنے یا انھیں محفوظ کرنے کی روایت رہی ہے تا کہ آنے والی نسلیں ان سے رشدو ہدایت کی روشنی حاصل کرسکیں، صوفیائے کرام کے ارشادات وفرمودات اگرچہ سادہ ہوتے ہیں مگر وہ ایسے مؤثر اور معنی خیز ہوتے ہیں کہ ان کا ایک ایک جملہ دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے، ان کا ایک ہی جملہ کسی بھی قوم کی تقدیر بدل ڈالنے کی صلاحیت رکھا ہے، کسی شاعر نے ان کی اسی صفت کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔ ؎

گفتۂ اوگفتۂ اللہ بود　　گرچہ ازحلقوم عبداللہ بود

حضورتاج الشریعہ نے سوال وجواب کا یہ سلسلہ جنوری ۲۰۰۵ء میں شروع کیا جو مسلسل ۲۰۱۶ء تک جاری رہا، یعنی پورے ۱۲؍ سالوں تک یہ زرّیں سلسلہ جاری وساری رہا، اس دوران آپ نے کم وبیش ۷۰۰۰؍ہزار سوالوں کے جوابات ارشاد فرمائے جو یقیناً ہماری آنے والی نسلوں کے لئے ایک عظیم سرمایہ ہیں، ’’ملفوظات تاج الشریعہ‘‘ صرف مئی ۲۰۱۰ء سے اکتوبر ۲۰۱۰ء تک کے سوالات وجوابات پر مشتمل ہے، یعنی حضورتاج الشریعہ کی زبان حق ترجمان سے نکلے ہوئے گیارہ سالوں کے جواہر پارے ریکارڈنگ کی شکل میں ابھی باقی اور محفوظ ہیں، ان شاءاللہ الرحمٰن وہ بھی کتابی صورت میں قارئین کرام کے مطالعہ کی میز پر ہوں گے، راقم الحروف ارباب علم ودانش سے التماس کرتا ہے کہ ’’ملفوظات تاج الشریعہ‘‘ میں اگر کوئی شرعی خامی یا غلطی نظر آئے تو اسے ناقل ومرتب کی غلطی تصور کرتے ہوئے ادارے کو مطلع فرمائیں تا کہ اس کی اصلاح کی جاسکے، راقم اس کی بارہویں قسط قارئین سنی دنیا کی نذر کررہا ہے۔

احقر محمد عبدالرحیم نشترؔ فاروقی

۵؍جولائی ۲۰۱۰ء، بریلی شریف، ہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض...۱: حضرت علامہ تحسین رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ کا عرس شریف گزرا، ان کی سیرت وخدمات پر کچھ ارشاد فرمائیں۔

ارشاد...: مجھ سے میرے خاندان کے بزرگ اور میرے مدرسے جامعۃ الرضا کے روح رواں اور حضور مفتیٔ اعظم ہند نور اللہ مرقدہٗ کے نورِ نظر حضرت مولانا علامہ تحسین رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق کچھ بولنے کے لئے کہا گیا چونکہ ابھی چند دن پہلے ان کی تاریخ وصال گزری، میں نے ان کے القاب کے تحت بہت کچھ بول دیا اور ان کی سیرت لوگوں کے سامنے آشکار ہے اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ کے مسلک پر سختی سے کاربند رہنے والے اور دوسروں کو اس مسلک پر ثابت قدم رکھنے والے اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ کا علمی اور روحانی فیض عام کرنے والے حضرت مولانا تحسین رضا خان صاحب ماضی قریب میں ہوئے اور وہ اپنے علم، اپنے حلم اور اپنے اخلاقِ کریمانہ کے لئے رہتی دنیا تک یاد رہیں گے، اگرچہ وہ اس دنیا سے چلے گئے لیکن وہ زندہ ہیں اور انھوں نے جو نشرِ علم اور مسلک کی خدمت کی، اس کا اجر ان کو قیامت تک ملتا رہے گا، نہ صرف ان کو ان کی خدمت کا بلکہ جتنے لوگوں کو انھوں نے تیار کیا اور اب ان کے

سکھائے ہوئے اور ان کی تلقین وتعلیم اور صحبت کے فیض یافتہ جو لوگ نشرِ دین اور اشاعتِ مسلک اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مصروف ہیں ان سب کا ثواب بھی ان کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے درجات بلند کرے ان کے جانے سے میرے جامعہ کو جو نقصان پہنچا وہ تو ظاہر ہے اور خاندان والوں کو جو صدمہ ہوا اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایک عالمِ دین جب دنیا سے جاتا ہے تو ایک خلا وہ چھوڑ جاتا ہے اور اب یہ دیکھا جا رہا ہے کہ اس خلا کا بھرنا عادتاً بہت دشوار ہوتا جا رہا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے پسماندگان میں ان کا جانشین اور مذہب اور مسلک کا دردمند اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ کے علوم کا کوئی وارث پیدا کرے۔

عرض...۲: اس شعر کی شرح فرمادیں ۔

چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکن ناز پہ وارے گیسو

ارشاد...: چمن طیبہ کا مطلب تو صاف ہے طیبہ شہر مدینہ سرکار ابد قرار جناب احمد مختار صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم کے شہر پاک کو چمن سے تشبیہ دی ہے اور وہ بے شک چمن ہے اور سنبل سے مراد یہاں پر حضور سرور عالم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم کا قدمبارک اور ان کی قامتِ زیبا استقامت اور نشاقت اور حسن کے اعتبار سے وہ مراد ہے اور حضور علیہ السلام کا سراپا مراد ہے، اب کہہ رہے ہیں وہ محبوب جس کا قامت زیبا سنبل ہے وہ اپنے گیسوا پنی زلفیں اگر چمن طیبہ میں سنواریں تو جو بالوں میں شکن پڑتی ہے اس شکن ناز پر جنت کی حور اپنے گیسو قربان کرے۔

عرض...۳: ایک شخص نے اپنی بیماری میں حضرت کے فتویٰ کی روشنی میں تبادلۂ خون نہ کیا لیکن اب وہ اس کو بڑھا نہیں سکتا کیوں کہ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ تبادلۂ خون کے بغیر جراحت (سرجری) ناممکن ہے اس صورت میں اس کو کیا کرنا چاہئے جب کہ اس کے بغیر جراحت کا کوئی راستہ نہیں؟ (انگریزی سوال)

ارشاد...: تبادلۂ خون کی کسی صورت اجازت نہیں ہے اس صورت میں کوئی متبادل تلاش کیا جائے اور اس متبادل کو استعمال کیا جائے۔

عرض...۴: ہماری مسجد کے متولی نے امام مسجد کو ہٹا دیا اور مؤذن کو امامت کے لئے لے آئے جس کا عربی لہجہ درست نہیں (قراءت میں غلطیاں کرتا ہے) اور وہ اذان بھی صحیح طور پر نہیں دیتا اور وہ نہ تو ابھی تک کسی پیر کا مرید ہے اور نہ ہی عالم، اور وہ سرکاری ملازمت سے بھی برطرف کیا جا چکا ہے جھوٹی تعلیمی اسناد کی بنا پر۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اردو میں بیان فرمادیں۔ (انگریزی سوال)

ارشاد...: اس صورت میں وہ لائق امامت نہیں ہے جب کہ قرآن صحیح نہیں پڑھ سکتا تو اس صورت میں خود اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی اور جو لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے ان کی نماز بھی نہیں ہوگی لہٰذا اسے امام بنانا ناجائز ہے۔

عرض...۵: ہماری مسجد میں جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر پہلی صف میں خطیب صاحب کے سامنے دی جاتی ہے ایک اجتماع میں لوگوں نے کہا تو ایک مفتی صاحب نے یہ بتایا کہ خطیب کے سامنے ۲ر ملٹیپل ۴ر جگہ مسجد سے باہر ہے اور اذانِ ثانی یہاں دی جاسکتی ہے، ان کا یہ بیان درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو وہ شخص جس نے خطیب کے سامنے ۲ر ملٹیپل ۴ر حصے میں نماز پڑھی اس کو مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا؟ وضاحت فرمادیں۔ (انگریزی سوال)

ارشاد...: جہاں تک اس بیان کا تعلق ہے اس پر میں کوئی تبصرہ نہیں کرسکتا کیوں کہ میں لفظ ۲ر ملٹیپل ۴ر کو سمجھ نہیں پایا، اس ۲ر ملٹیپل ۴ر کا کیا مطلب ہے؟ سب سے پہلے اس کو واضح کرنا چاہئے بہرحال اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ مسجد کے اندر اذان دی جائے یہ مسجد سے باہر دینی چاہئے مثلاً مسجد کے دروازے پر یا کسی اور مقام پر جو مسجد سے متصل ہو اور مسجد سے باہر سمجھا جاتا ہو جیسے وضو خانہ یا کوئی اور جگہ جو نماز کے علاوہ کسی اور کام کے لئے مخصوص ہو۔

عرض...۶: یا غوث، یا غریب نواز رضی اللہ عنہما اور کسی بھی ولی

کے نام کے ساتھ حرف ندا استعمال کرنے کی اجازت ہے؟ اور اگر ایسا ان سے مدد چاہنے کی نیت سے ہو تو کیسا؟

ارشاد...: اجازت ہے، اگر چہ ان سے نیت مدد چاہنے کی ہو تو اس وجہ سے یہ حرام نہیں ہوگا چہ جائیکہ یہ شرک ہو وہابیہ کا یہ گمان کرنا کہ حرف ندا سے اولیا علیہم الرحمۃ کو پکارنا یا انبیا علیہم السلام کو پکارنا یہ ناجائز وحرام ہے یا شرک ہے، غلط و باطل اور بے بنیاد ہے۔

عرض...۷: کیا اسلام میں سگریٹ اور حقہ پینا جائز ہے؟ (انگریزی سوال)

ارشاد...: یہ حرام نہیں ہے

عرض...۸: میں نے سُنا ہے کہ اسلام میں ایک مرد اور ایک عورت جن کا خون کا رشتہ نہ ہو اور نہ وہ شادی شدہ ہوں ایک دوسرے کے ساتھ اکیلے میں نہیں رہ سکتے، کیا یہ درست ہے؟ (انگریزی سوال)

ارشاد...: جی ہاں۔

عرض...۹: اسلام کے مطابق کیا تمام ہندو اور عیسائی جہنم میں جائیں گے؟ (انگریزی سوال)

ارشاد...: جو کوئی اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے پیارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے اسی طرح جو اسلام کے بنیادی عقائد کا انکار کرے وہ بھی کافر ہے اور کافر کو ہمیشہ جہنم میں سزا دی جائے گی۔

عرض...۱۰: میں اپنا ذاتی ہوٹل یا ریسٹورینٹ کھولنا چاہتا ہوں اگر میں الکوحلک مشروبات رکھوں تو کیا اس کی آمدنی حرام ہوگی؟ (انگریزی سوال)

ارشاد...: اس کی اجازت نہیں ہے اور اس کی آمدنی بھی حرام ہوگی جب کہ وہ شراب مسلمان کو بیچے۔

عرض...۱۱: اسلام کہتا ہے کہ ہمیں دوسروں کی مدد کرنی چاہئے، اس کا کیا مطلب ہے کیا ہمیں صرف مسلمان کی مدد کرنے پر ثواب ملے گا یا دوسرے مذاہب کے لوگوں کی مدد پر بھی ثواب ملے گا؟ (انگریزی سوال)

ارشاد...: اگر آپ کسی مسلمان کی مدد کرتے ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر آپ کو اجر عطا فرمائے گا اور اگر نا گزیر حالات میں آپ کی غیر مسلم کی مدد کی نیت ہے تو ثواب مل سکتا ہے۔

عرض...۱۲: شرک کیا ہے اور شرک کی مختلف اقسام کیا ہیں؟ (انگریزی سوال)

ارشاد...: اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی اور کو (اس کی ذات و صفات میں) اس کا شریک ماننا اور اس کی عبادت کرنا شرک ہے۔

عرض...۱۳: صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنا ٹھیک ہے یا صلی اللہ علیک وسلم؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم سنیوں کا عقیدہ ہے کہ سرکار کریم علیہ السلام زندہ ہیں تو ہمیں علیک کہنا چاہئے۔

ارشاد...: سرکار کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم بے شک زندہ ہیں اس وجہ سے صلی اللہ علیک وسلم کہنا کچھ متعین نہیں ہے اور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنے سے بھی اس عقیدے پر کوئی فرق نہیں آتا درود شریف پڑھے اور اس طور پر پڑھے جس طور پر التحیات میں ہم کو ادب سکھایا کہ یوں سمجھے کہ گویا حضور علیہ السلام کے سامنے حاضر ہے اور حضور علیہ السلام اس کو دیکھ رہے ہیں اور اس کا درود سن رہے ہیں یہ بہت بہتر ہے السلام علیك ایھا النبی اور یہ استحضار کا مرتبہ ہے اور یوں بھی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر حضور علیہ السلام کا ذکر آیا یا نام پاک آیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہا، اس میں بھی حرج نہیں ہے اور یہ بھی بہت خوب ہے۔

عرض...۱۴: میں جانتا ہوں کہ خودکشی حرام ہے لیکن کیا ہم ایسی انتہائی حالت میں کہ جیسے جب عدالت ایک مسلمان کو پھانسی کا حکم سنا دے خودکشی کا ارتکاب کرسکتے ہیں؟ (انگریزی سوال)

ارشاد...: نہیں۔

عرض...۱۵: کیا نماز کی ادائیگی کے وقت پوری آستین کی ٹی شرٹ لازمی ہے؟ (انگریزی سوال)

ارشاد...: یہ لازمی ہے کہ جب کوئی نماز کی ادائیگی کے آئے تو صحیح اسلامی لباس میں آئے پوری آستین کے ساتھ اور گلے کی ہڈی کو ڈھانپ کر اور کُرتا بھی صحیح حالت میں اور

بقیہ ص ۱۷/ پر

از: ڈاکٹر محمد فرید الدین*

علامہ کامل سہسرامی: ایک اجمالی تعارف

علم وادب، شعر وسخن اور مذہب وملت کے ایک عظیم خدمتگار

اسلاف واخلاف

سہسرام کی تاریخی روایات کی جڑیں بہت گہری ہیں علمی وفکری اعتبار سے بھی اس قدیم شہر کی اپنی علیحدہ شناخت و پہچان ہے، ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کے آثار بہت نمایاں ہیں، شعروادب کے گلشن میں بھی اس چمن کے گلہائے رنگارنگ سے رونقیں رہی ہیں۔راجہ رام نارائن موزوں سہسرامی کا معروف اورتاریخی شعر سہسرام کے شعری وادبی ذوق کا خوب صورت عکاس اور بہترین ترجمان ہے۔

غزالاں! تم تو واقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی
دوا نہ مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

مغل سلطنت سے لوہا لے کر بابر کی فوج کو پسپا کر کے اقتدار کی کرسی پر براجمان ہونے کا سہرا یہاں کے ایک جاگیر دار حسن خاں سور کے سپوت فرید خاں سور عرف شیر شاہ سور کے سر بندھتا ہے،جس نے ہندوستان میں ایک پرامن اور مستحکم حکومت کی بنیاد ڈالی۔ایک غیر ترقی یافتہ ملک کو ترقی کی شاہ راہ پر لا کر کھڑا کر دیا۔کئی نظام تو پہلی مرتبہ سائنٹفک ڈھنگ سے مرتب کر کے متعارف کرایا،غیر منقسم ہندوستان کی تاریخ میں اس علاقے کے ہونہاروں کی تاریخ سنہری حرفوں سے تحریر کئے جانے کے لائق ہے،انگریزوں کے خلاف جنگ کا جو بگل بجا تو اس میں بھی یہاں کے جانبازوں نے تاریخ ساز کردار ادا کئے۔آزادی کا جو پہلا چراغ لال قلعہ کی فصیلوں پر جلا اس میں بھی اس تاریخی علاقے کے باشندوں کا تعاون قابل ذکر ہے۔اردو زبان وادب کا رنگ وروپ نکھارنے میں سہسرام کا کردار تاریخ ساز ہے۔یہ شہر علم و ادب اور فکر ونظر کے رنگارنگ جلووں کی ایک خاص تجلی گاہ رہا ہے برسوں قبل یہاں کے علمی،فکری،روحانی اور جغرافیائی مقام ومراتب کا اظہار فرماتے ہوئے حضرت مولانا عثمان مہاجر مکی نے یہ تاریخی جملے تحریر کئے تھے:

”السھسرام بلدۃ من بلاد الھند من مضافات البھار۔لاریب ان السھسرام من روضات الجنات ذوات العیون الجاریات والجبال الراسیات و الاشجار الخضروات معدن الاولیاء مخزن العلماء۔

یعنی سہسرام مضافات بہار میں ہندوستان کا ایک ممتاز شہر ہے،جو بلاشک وشبہ باغات جنت کا نمونہ ہے،جہاں دلکش چشمے بہتے ہیں،پہاڑوں کی بلند وبالا چوٹیاں ہیں ہرے بھرے درخت ہیں جو اولیاء کی کان اور علما کا مخزن ہے۔“

حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی نے علم وادب کے اسی گہوارے میں ۲۰ر جمادی الآخرہ ۱۳۵۱ھ میں اپنی آنکھیں کھولیں پھر جس گھرانے اور ماحول میں آپ پلے بڑھے وہ علم وفکر کا ایک مستقل مکتب تھا۔والد ماجد قدوۃ العلماء، زبدۃ الفضلاء حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد فرخند علی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ علوم ظاہرہ کے متبحر عالم دین اور وقت شناس فقیہ تھے بلکہ بحر معرفت وطریقت کے ایک عظیم شناور بھی تھے،اپنے مرشد برحق حضرت علامہ عبد الکافی الہ آبادی قدس سرہ کی ایما پر آپ نے طریقت ومعرفت میں ایک رسالہ ”ارشادات کافی“ بھی تحریر فرمایا جس کے مطالعے سے معرفت وطریقت میں آپ کے مقام ومراتب کا اندازہ قدر شناس حضرات نے فرمایا۔آپ کا گھرانہ علمی تھا۔گھر کیا تھا،دین کی ایک بڑی دانش گاہ اور اسلامیات کا مکتب تھا، رہائشی مکان کا ایک حصہ منتہی درجات کے طلبہ کی علمی وفکری پیاس بجھانے کا ایک آبشار تھا۔

علامہ کامل سہسرامی ہندوستان کے گنے چنے ان چند صاحبان فضل وکمال میں تھے جنہیں قدرت نے زبان وقلم پر یکساں

قدرت عطا فرمائی تھی۔ اگر وہ خطابت کے شہسوار تھے تو میدان صحافت کے تاجدار بھی، ان کی برق بار اور شعلہ زبان خطابت سے باطل کے ایوان لرزہ براندام تھے تو وہیں ان کے قلم کی روشنائی سے افکار فاسدہ وعقائد باطلہ کے چہرے پر ہزیمت ورسوائی کے خطوط روشن تھے وہ بے تکان بولتے بھی تھے اور لکھتے بھی تھے۔ جب وقت آجاتا تو ایک مزدور کا روپ دھار لیتے خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی ان خصوصیات پہ روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”میرا کامل قلم ہی کا تاجدار نہ تھا بلکہ اپنے معاصرین میں فن خطابت کا ایسا پیش رو امام المقررین تھا جس کی گرد راہ نے اوج ثریا کو منزلوں پیچھے کر دیا، کامل جس وقت صدری یا شیروانی کی سج دھج سے جھومتے جھامتے، ہنستے مسکراتے اسٹیج پر قدم رکھتے تو عوام میں ہل چل مچ جاتی، سرگوشیاں ہوتیں وہ دیکھو کامل میاں آئے اور جس وقت وہ خطابت کی کرسی پر بیٹھ کر الفاظ کی چاند ماری اور گولہ باری کرتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ ہم کسی کانفرنس میں نہیں بلکہ رزم گاہ میں بیٹھے ہیں جہاں چاروں سے طرف سے توپیں انگارہ اگل رہی ہیں اور گولوں کی برسات ہو رہی ہے۔ کامل اپنی گرجدار آواز میں شوکت الفاظ سے جب قوم کو خطاب کرتے تو بادلوں کے گرجنے اور بجلیوں کے تڑتڑانے کا یقین ہوتا، کامل کشورِ قلم کا پاسبان و تاجدار اور میدان خطابت کا ابھرتا شہ سوار تھا۔“

علامہ کامل سہسرامی کے زورِ قلم سے ایوان باطل لرزہ براندام تھا ”نجد سے سہارن پور تک“ کی دھمک آج بھی علمی دنیا میں محسوس کی جاتی ہے، ہفت روزہ ”تاجدار“ ممبئی، ماہنامہ ”پاسبان“ الہ آباد اور ماہنامہ ”استقامت“ کانپور میں آپ کے بے باک صحافتی مزاج ومنہاج کے جو روشن اور تابناک نقوش ہیں وہ آپ کے صحافتی شعور وآگہی اور سیاسی مزاج ومنہاج متعین کرنے میں سنگ میل ثابت ہو سکتے ہیں۔

گجرات میں قیام کے دوران علامہ کامل سہسرامی نے اسلام میں پیر پھیلانے والی موڈرن جماعت کے ایوان پر مزاحیہ انداز میں طنز کے نشتر برساتے ہوئے ایک مضمون ”نجد سے سہارن پور تک“ کے عنوان سے ماہنامہ ”پاسبان“ الہ آباد میں اشاعت کے لیے روانہ فرمایا۔ مضمون کی اشاعت کے بعد ہر طرف سے تحسین ومرحبا کی صدائیں بلند ہوئیں۔ پورے ملک میں ایک دھماکے کا احساس کیا گیا اور پھر ہوا یہ کہ ”پاسبان“ کا دوسرا نام ”نجد سے سہارن پور تک“ پڑ گیا۔ مدیر اعلیٰ حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی نے اسے ”پاسبان“ کا مستقل عنوان بنا دیا۔ ظاہر ہے کہ یہی امر اپنے آپ میں اس کے مقبول عوام وخواص ہونے کی ایک بڑی سند ہے، علامہ کامل سہسرامی ”اظہار خیال“ کے تحت رقمطراز ہیں ”نہ جانے وہ کون سی ساعت تھی جب میں نے ”پاسبان“ کے لیے ”نجد سے سہارن پور تک“ کے عنوان سے پہلی مرتبہ مضمون بھیجا تھا۔ مضمون کے جواب میں مولانا کا حکم نامہ ملا کہ یہ ”پاسبان“ کا مستقل عنوان بنا لیا گیا ہے۔ اس کا نباہ تمہارے ذمہ ہے۔“

ماہنامہ ”پاسبان“ میں سلسلے وار شائع ہونے والے اس مضمون کی مقبولیت کے پیش نظر مکتبۂ پاسبان نے اسے کتابی شکل میں شائع کرنے کا فیصلہ لیا، چنانچہ ان مضامین کا مجموعہ جب کتابی شکل میں پہلی مرتبہ منظر عام پر آیا تو دیکھتے دیکھتے تمام کاپیاں ختم ہو گئیں اور پھر دوسرے ایڈیشن کی تیاریاں ہونے لگیں، لیکن بعد میں اہل ذوق قارئین وشائقین کی مسلسل طلب کے باوجود اس کا اشاعتی تسلسل بحال نہیں رکھا جا سکا۔

علامہ کامل سہسرامی ایک کامیاب نثر نگار صاحب طرز انشا پرداز ایک کہنہ مشق شاعر ایک زہرہ نگار ادیب، ایک بے باک صحافی اور ایک منفرد طنز ومزاح نگار تھے۔ ان کی طنز نگاری کا معیار بہت اونچا تھا یہ الگ بات ہے کہ اس میں بھی ان کا دائرۂ قلم مذہب اور صرف مذہب تھا، دین کے نام پہ بے دینی پھیلانے والا طبقہ اسلام میں پیر پھیلانے لگا تو علامہ کامل سہسرامی نے اپنے اس اچھوتے طرز بیان سے اس کا بھرپور اور مکمل تعاقب فرمایا اور اس خانہ ساز مذہب کے رد وتردید میں اپنی بے پناہ قلمی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، اپنے اس طرز نگارش میں لاریب وہ منفرد

تھے۔مذہبی ادب میں طنزومزاح نگاری کی روایت کا سہرا آپ کے سر سجتا ہے،علامہ نظامی اس تعلق سے رقمطراز ہیں۔

"مولانا کامل اپنی اس طرز نگارش میں بالکل یگانہ ومنفرد ہیں، بات میں بات پیدا کرنا اور ہنستے بولتے ایسی دور رس باتیں کہہ جانا جہاں خواص ہی کا ذہن جاسکے یہ ان کا خاص فن ہے، یہ ایک خدا داد صلاحیت ہے جس نے انہیں دوسروں سے ممتاز کردیا ہے۔"

مشہور ناقد و ادیب حضرت ندیم گورکھپوری اپنے تفصیلی مضمون "نجد سے سہارن پور تک" "ایک مطالعہ" میں علامہ کامل سہسرامی کی طنز و مزاح نگاری کی قدر و قیمت کا تعین کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"شوکت تھانوی، ابراہیم جلیس، خواجہ عبدالغفور، فکر تونسوی اور مولانا کامل سہسرامی کی طنز نگاری کا سرسری جائزہ لینے کی بجائے اگر تنقیدی مطالعہ کیا جائے تو صاف پتا چلے گا کہ مولانا کامل نے طنزومزاح نگاری کو ایک نئی شاہراہ پہ لا کر کھڑا کیا ہے۔ جہاں ان کا طرز نگارش طنزومزاح کی آخری حد کو چھو رہا ہوتا ہے۔"

دوسرے پیراگراف میں انداز بیان اور صداقت پسندی پہ گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کامل سہسرامی کا انداز بیان شوکت تھانوی سے کافی ملتا جلتا ہے ایسا لگتا ہے کہ شوکت تھانوی کی طنز اور کامل سہسرامی کا مزاح دونوں سگے بھائی بہن ہیں۔مگر شوکت سے کہیں زیادہ جلیس کا فن حقیقت سے قریب ہے اور مولانا کامل سہسرامی کی صداقت پسندی تو جلیس سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئی ہے۔"

علامہ کامل سہسرامی صاحب طرز انشا پرداز اور کامیاب نثر نگار تھے ان کی نثر نہایت سلیس اور سادہ ہے، ایک عمدہ اور بہترین نثر کی تمام خوبی آپ کی تحریر میں نظر آئیں گی، محاورات، تشبیہات اور استعارات کے جابجا استعمال نے آپ کی نثر کو اردوئے معلیٰ کا شاہکار بنا دیا ہے، زبان و بیان کی ساری خوبیاں مندرجہ اقتباس سے ظاہر ہیں:

"کانگریس ملک کی کتنی ہی مقبول جماعت ہو، کتنی ہی حکمرانی کی صلاحیت رکھتی ہو لیکن یقین فرمائیے جب کوئی لانبی داڑھی والا کھدر پوش ہو جاتا ہے تو پھر وہ مولوی رہتا ہے نہ کانگریسی بلکہ دونوں کے درمیان کی چیز چھوٹو مدار (عرف چالباز شکاری) بن جاتا ہے، جو اتنی مہارت و ہوشیاری سے جال ڈالتا ہے کہ غریب شکار کو پھڑ پھڑانے تک کا موقع نصیب نہیں ہوتا۔ بھانومتی کے پٹارے کا ایسا ایسا کرتب دکھائے گا کہ بس دیکھا کیجئے ہاتھ کی صفائی ایسی کہ کتنے مداریوں نے شرما کر اپنا کام دھندا چھوڑ دیا۔"

"صوفی صاحب حضرت شیخ کے خاص الخاص عقیدت مندوں میں ہیں، جب کبھی شیخ کا ذکر آیا ان کی آنکھوں سے آنسو کے موٹے موٹے قطرے نکل پڑے۔ پیر صاحب کی تقلید میں ہمیشہ کھدر پہنتے ہیں، پائجامہ اتنا محتاط کہ گھٹنوں سے ذرا نیچے رہتا ہے۔دور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ نئے فیشن کی ہاف پینٹ ہے، کرتے کی لمبائی ہمیشہ جبے کے دھوکے میں ڈالتی ہے، سیاہ چمکتا ہوا چہرہ اس پر ڈیڑھ بالشت کی دودھ جیسی داڑھی گویا صبح وشام کا سنگم، لوگوں کو ہمیشہ قرآن و حدیث پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔"

"ہم نہیں سمجھ سکے کہ یہ رسول دشمنی ہے یا اپنے بزرگوں کی غلط عقیدت مندیوں کا غلط نتیجہ آخر جب بات آپ کے گھر کی ہوتی ہے تو کیوں منہ میں دہی جم جاتا ہے اور رسالت کا معاملہ ہوتا ہے تو زبان وقلم دونوں اسی میل فی گھنٹے کی رفتار سے چل پڑتے ہیں۔"

علامہ کامل سہسرامی ایک اچھے ظریف بلند پایہ نثر نگار صاحب طرز انشا پرداز اور ایک کامیاب نقاد تھے آپ کی نثر فصاحت و بلاغت اور سلاست و روانی کی فضا میں پرورش پاتی ہے، تشبیہات استعارات اور محاورات کے جابجا درست استعمال نے آپ کی نثر کو چمنستان اردو کا سدا بہار گلدستہ بنا دیا ہے، آپ کی قلمی خدمات تاریخ ادب اردو میں سورج کی روپہلی کرنوں سے تحریر کیے جانے کے لائق ہے۔

اپنی گونا گوں خوبیوں کی بنیاد پہ وہ رفتہ رفتہ مسند صدارت کی شہ نشینی کی جانب بڑھ رہے تھے، چھوٹوں کی انجمن سے نکل کر بڑوں کی صف میں حاشیہ نشین ہو رہے تھے اور وہ دن دور نہیں تھا کہ مسند صدارت پہ آپ متمکن نظر آتے مگر زندگی نے ساتھ چھوڑ دیا۔علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"اب دھیرے دھیرے کامل کانفرنسوں اور مرکزی جلسوں کی روح بن چکے تھے ان کے بغیر کسی کانفرنس کا کوئی تصور نہ ہوتا۔سنی جمیعۃ العلماء ہر سال ۱۲ محرم الحرام کو شہید اعظم کانفرنس کرتی ہے، جس میں قائد ملت مولانا سید شاہ اسرار الحق کی معیت میں حالات کے تحت تجاویز کی سرخیاں متعین کر لیتا اس کے بعد انہیں محتاط طور پر قانون کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے مولانا کامل اور مولانا اسلم بستوی کے سپرد کر دیا جاتا اور انہی کے ڈھلے ڈھلائے الفاظ میں تجاویز سنائی جاتیں۔"

آپ پختہ عزم وارادے کے مالک تھے، خود اعتمادی وخدا اعتمادی آپ کا وصف خاص تھا، کسی بھی امر کی انجام دہی کے لیے جب وہ کمر بستہ ہوجاتے تو مکمل تن دہی کے ساتھ اس میں روح پھونک کر منزل بکنار کر کے ہی دم لیتے۔علامہ نظامی اپنے مشاہدے کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں:

"کامل کو میں نے "تاجدار" کے دور میں بہت قریب سے دیکھا، سب تھک جاتے مگر کامل نہ تھکتے، رات کو تین بجے تک ایک ہی رفتار سے قلم چلتا اور اس وقت تک تکیے پر سر نہ رکھتے تاوقتیکہ "تاجدار" کی ایک ایک سطر سے مطمئن نہ ہوجاتے، انوار ہر چند کہتے، کامل میاں اتنی مشقت نہ اٹھائیے آپ اس ادارے کے غلام نہیں مالک ہیں مگر ایک نہ سنتے درجنوں اخبارات دیکھنا، اس پر لال پنسل سے نشان لگانا پھر خبروں کا انتخاب ان پر تنقید وتبصرہ، تحقیقی وتنقیدی مقالے کی ترتیب اور پھر مضامین سپرد قلم کرنا یہ وہ تمام امور بیٹھے بٹھائے، پختہ کار منجھے منجھائے صحافی کی حیثیت سے انجام دیتے، جس کے نتیجے میں "نشیمن"، بنگلور اور بعض ویکلی اخبار کی روشنی مدھم ہوگئی تھی، اگر "تاجدار"، ویکلی عمر پاتا تو آج صف اوّل کے اخبارات میں اس کا شمار کیا جاتا۔یہ جو کچھ بھی تھا کامل اور انوار کی صلاحیتوں کا نتیجہ تھا۔"

اپنے انہی اوصاف کی بنیاد پر اب وہ اکابر علماء کا دل جیتنے لگے تھے اور رفتہ رفتہ جماعتی ذمے داریوں کا احساس فرمانے لگے تھے علامہ نظامی رقمطراز ہیں:

"اب وہ اعتماد کی ان منزلوں کو چھو رہے تھے کہ آنکھ بند کر کے تمام دستاویز ان کے سپرد کردی جاتی۔کامل نے ہمارا کام بہت ہلکا کر دیا تھا، جو کام ان کے ذمے کیا وقت سے پہلے انہوں نے اسے پورا کیا۔اب تدریجاً انہیں اپنی ذمہ داریوں کا بھر پور احساس ہوتا جارہا تھا اور اپنی ذہنی، فکری اور قلمی صلاحیتوں سے اکابر کا دل جیت رہے تھے، کامل نے خطابت کو بحیثیت فن نہیں استعمال کیا بلکہ بطور مشن استعمال کیا، خطابت کے پس منظر میں مذہب اہل سنت کی نمائندگی کا انہیں بھر پور احساس تھا اور ان کی یہی ادا عوامی شہرت اور مقبولیت کا سبب بنتی رہی۔کامل نے جیتے جی کبھی مسلک کا سودا نہیں کیا۔انہوں نے سب کچھ گنوایا مگر مسلک کی آبرو اور اس کا وقار بحال رکھا اور اس کے دامن پہ کوئی آنچ نہ آنے دی۔ان کی اسی ادا نے مجھے ان سے قریب سے قریب تر کر دیا۔کامل اپنوں کے لیے بہت سی خوبیوں اور محاسن کا ایک جیتا جاگتا مرد آہن تھا جس کی ایک للکار سے دشمنان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے کلیجے کا خون پانی ہوجاتا۔کامل اپنوں کے لیے گونا گوں خوبیوں کا ایک حسین وشاداب گلدستہ تھا اور حریفوں کے لیے شمشیر براں وشعلہء جوالہ تھا۔"

علامہ کامل سہسرامی راہ طریقت میں سلسلہء نقشبندیہ مجددیہ سے وابستہ کسی مرشد راہ طریقت کی تلاش میں تھے چنانچہ یہ ہفت خواں طے کرنے کے لیے رئیس اعظم اڑیسہ، مجاہد ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ حبیب الرحمن رضوی قادری کی طرف متوجہ ہوئے یا کرائے گئے اور وہ حضرت مجاہد ملت کے نورانی صندوق کی جانب

اسلاف واخلاف

اکتساب علم کے لیے قریب سے قریب تر ہوتے چلے گئے اس تعلق سے علامہ سہسرامی کے استاذ گرامی قدر شمس العلماء حضرت مفتی محمد نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”ان دونوں کے درمیان دنیا سے الگ ہوکر ایک الگ میدان میں سیر وتفریح کا شوق پیدا ہوگیا۔ چند سال بلکہ چند ماہ کے بعد ہی کامل سہسرامی کے قلب میں ایسی کرن پھوٹی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار کامل مرحوم حضرت مجاہد ملت کے نورانی صندوق کی طرف متوجہ ہوگئے۔ یا کرائے گئے۔ جو کچھ ہوا اب راز ونیاز کی گفتگو شروع ہوگئی اور حضرت مجاہد ملت کے روبرو یہ کہنا پڑا کہ سرکار میں نے سطحی طور پر بیضاوی پڑھی۔ اس پر علامہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب واصل اور عارف باللہ ”اهدنا الصراط المستقيم“ پڑھتا ہے تو وہ دل میں یوں کہتا ہے ”اللّٰهم ارشدنا طريق السير فيك ليتمحوا عنا ظلمات احوالنا وتميط غواشي ابداننا يستضي بنور قدسك فنراك بنورك، اے اللہ تعالیٰ! تو اپنی ذات میں سیر کرنے کے راستے کی ہدایت فرما تاکہ ہمارے حالات کی ظلمتیں مٹ جائیں۔ جسم کے حجاب اور پردے ہٹ جائیں تاکہ تیرے مقدس نور کا مشاہدہ کرسکوں۔“ مگر میرا یہ پڑھا ہوا صرف ظاہری ہے اور زبان پر ترجمہ ہی ہے۔ براہ کرم آپ اپنی نورانیت کی شعاعوں میں حقیقت کا مشاہدہ کرادیں اور یہ کہہ کر قدموں سے لپٹ گئے حضرت مجاہد ملت کا ترحم جوش میں آیا اور انہوں نے کامل سہسرامی کو اپنے گلے سے لگالیا اور کامل مرحوم نے نورانی اقتباسات کا مقام اپنے قلب مصفیٰ کو بنالیا۔“

سرکار مجاہد ملت سے شرف بیعت، ارادت وخلافت کے بعد زندگی کا رنگ بدل گیا صبح وشام کے معمولات میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔ طریقت ومعرفت کی راہ طے کرتے ہوئے واصل الی اللہ ہوگئے۔ تبلیغ اسلام اور رشد وہدایت تو آپ کی صبح شام کا مشغلہ تھا اس راہ سے گزرتے ہوئے آخر ایک دن ایسا ہوا کہ مغربی بنگال کی راجدھانی کولکاتہ کی عظیم الشان جمال طیبہ کانفرنس میں ذکر شہادت کربلا کے عنوان پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے دل کا دورہ پڑا اور واصل الی الحق ہوگئے۔ اس تعلق سے حضرت مفتی نظام الدین حبیبی الہ آبادی تحریر فرماتے ہیں:

”اسی ذوق تبلیغ میں ایک اجلاس سے مخاطب ہوکر نورانی ضوفشانی کررہے تھے کہ دوران تقریر قلب پر گہرا اثر پڑا اور وہیں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ ڈاکٹروں کی بھیڑ لگ گئی اور سب نے یہی فیصلہ کیا کہ ان کا ہارٹ فیل کر گیا۔ مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ حادثہ ڈاکٹروں کی سوجھ بوجھ سے بالاتر تھا، ان کی وہاں رسائی بھی نہیں ہوسکی جہاں کامل سہسرامی کیسے اور کہاں پہنچ گئے۔

دراصل کامل سہسرامی کو جس نور کی تلاش تھی اسے پاکر وہ آپے سے باہر ہوگئے اور صحیح معنوں میں واصل الی اللہ ہوگئے اور علامہ بیضاوی کے اشاروں کا راز پالیا۔

کامل سہسرامی کے ساتھ کلکتہ میں پیش آنے والے حادثے کو ہارٹ فیل کہنا یہ ایک ظاہری بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کامل سہسرامی نے حضرت مجاہد ملت کی نورانیت کو اخذ کرنا شروع کیا تو کچھ دنوں تک سنبھال لے گئے مگر جب بات آگے بڑھی اور حضرت مجاہد ملت کی نورانیت کے ذریعہ سرکار دوعالم ﷺ کی نورانیت کے وسیلے سے پروردگار عالم کی نورانیت میں جا ملے اور صحیح معنوں میں ”نراک بنورک“ کا جلوہ سامنے آیا تو نور حقیقی سے جاملے۔“

علامہ کامل سہسرامی ایک کامیاب شاعر بھی تھے۔ کم گو تھے لیکن عمدہ کہتے تھے۔ ہر چند کہ انہوں نے یہ فن اپنایا نہیں لیکن ان کی دستیاب غزلوں، نعتوں اور رباعیات دیکھ کر ان کا اعلیٰ ذوق شعر وسخن سمجھ میں آتا ہے۔

آپ نے سہسرام کے جس ماحول میں اپنے شعور کی آنکھیں کھولیں اس میں ہر چہار جانب علم وادب، فکر ونظر اور شعر وسخن کے آبشار پھوٹ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کی پاکیزہ فضاؤں میں سانس لے کر جو پلا بڑھا ہو وہ یقیناً ادب شناس ہوگا، یہاں کی تہذیبی

روایات کے سائبان میں اس وقت شیدا سہسرامی، مانوس سہسرامی مسکین سہسرامی، قمر نعمانی، حشر سہسرامی، ضیاء سہسرامی اور قمر سہسرامی جیسے اساطین علم و ادب کے نغموں سے یہاں کی وادیاں گونج رہی تھیں۔ علامہ کامل سہسرامی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ایک لمبی مدت تک الٰہ آباد، مبارک پور، بریلی شریف اور احمد آباد میں سکونت پذیر رہے۔ وطن کی کشش، اہل وطن کی محبت اور پھر دارالعلوم خیریہ نظامیہ کی ضروری پکار پر ان کے قدم زیادہ دنوں تک بیرون وطن نہیں ٹھہر سکے وہ یہاں آئے تو پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس وقت سہسرام کا ماحول الگ تھلگ تھا تقریباً ہر ماہ کہیں نہ کہیں طرحی وغیر طرحی مشاعرے کا اہتمام ہوتا، جس میں مقامی اہل علم و ادب ذوق وشوق سے حصہ لیتے، خود دارالعلوم خیریہ نظامیہ میں ہر ماہ طرحی مشاعرے کا اہتمام ہوتا جو اساتذہ و طلبہ کے لیے مخصوص ہوتا۔

علامہ کامل سہسرامی کی افتاد طبع الگ تھی وہ فطری شاعر تھے ان کی شاعری آورد کی رہین منت نہ تھی ضرورت کے تحت اپنا فکری چراغ جلاتے حسب موقع نعت یا غزل کہتے اور شریک مشاعرہ ہوجاتے ان کی شاعری میں مکمل طور پہ آمد کا رنگ نظر آتا ہے۔ مشاعرے سے ایک دو گھنٹہ قبل اپنا کلام مکمل کرتے اور شریک مشاعرہ ہوکر اہل ذوق سے داد وتحسین وصول فرماتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ کلام مکمل نہ ہوا کچھ اشعار کہے اور مشاعرے میں شرکت کے لیے نکل پڑے باقی اشعار راستے میں کہہ کر کلام مکمل کرتے اور شریک مشاعرہ ہوجاتے۔ رفتہ رفتہ وہ سہسرام کے مشاعروں کی روح بنتے جارہے تھے۔ کسی مشاعرے کا تصور بھی ان کے بغیر ناقص و ادھورا سمجھا جانے لگا اب وہ مشاعروں میں صرف شاعر و ادیب کی حیثیت سے شرکت نہیں فرماتے بلکہ مشاعروں کے اہتمام کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہوتی وہ ایک کامیاب ناظم مشاعرہ بھی تھے۔

علامہ کی بیاض سے چند اشعار ذیل میں نقل کئے جارہے ہیں جن سے ان کے شاعرانہ مزاج ومنہاج کا اندازہ باذوق قارئین فرماسکتے ہیں۔

نعت شریف

نورِ جمال گنبد خضریٰ نظر میں ہے
یعنی فرازِ عرش معلیٰ نظر میں ہے
خوفِ گنہ کی تیرہ شبی ختم ہوگئی
اپنی شفاعتوں کا سویرا نظر میں ہے
میں عرض مدعا مرے سرکار کیا کروں
پڑھ لیجیے ہر ایک تمنا نظر میں ہے

نعتیہ قطعہ

تکلفات اور اتنے تکلفات کے بعد
حضور آئے ہزاروں تغیرات کے بعد
نہ کوئی آپ سا آیا نہ کوئی آئے گا
نہ اس حیات سے پہلے نہ اس حیات کے بعد

رباعی

دانش وفکر کی گرمی سے پگھلتے جذبات
شبنمی پیار کے سائے میں سکوں پا نہ سکے
چاند تاروں کی کلائی تو مروڑی لیکن
اپنی دنیا میں کوئی چاندنی پھیلا نہ سکے

قطعات

پھر وقت کے آذر نے تراشے ہیں نئے بت
ہے وہم پرستی میں گرفتار زمانہ
مزدور کی لاشوں پہ مساوات کے نعرے
زہریلی زبانوں پہ محبت کا ترانہ
اے گنبد خضریٰ کے مکیں تیری دہائی
نعروں کی نجاست سے مسلماں کو بچانا
خوابِ مزدور میں ہے سرخ سویرا آباد
ظلم کی دھوپ سے مرجھا گئے غنچوں کے دہن
ہے مساوات کی ضامن وہی ذات اقدس
جس نے طبقات کی تفریق کے کاٹے بندھن
جل رہے ہیں چراغ ہر رنگ کے
ہر اندھیرا ہے دل کی بستی میں

کہکشاں تک پہنچ گیا انسان
لیکن انسانیت ہے پستی میں

غزل

انقلاباتِ رنگیں کا مرکز ان کی مخمور انگڑائیاں ہیں
کالے کالے یہ بادل نہیں ہیں ان کے گیسو کی پرچھائیاں ہیں

اس قدر کیوں ہے جانے کی جلدی رات باقی ابھی دو گھڑی ہے
ان اجالوں سے دھوکا نہ کھاؤ یہ تو عارض کی تابانیاں ہیں

کون گلشن میں آج آ گیا ہے کس نے ڈالی نظر مسکرا کر
مہکے مہکے سے ہیں غنچہ وگل بہکی بہکی سی پروائیاں ہیں

کتنا دعویٰ تھا تہذیب نو کو اپنی بے مایہ تابندگی پر
جتنی یہ روشنی بڑھ رہی ہے اتنی ہی گھور تاریکیاں ہیں

کتنا پیارا ہے طرزِ تکلم کتنا دلکش ہے ان کا تبسم
جیسے نغمات کی وادیاں ہیں جیسے خوابوں کی شہزادیاں ہیں

ان کا طرزِ تغافل تو دیکھو یہ انوکھا تجاہل تو دیکھو
پوچھتے ہیں مجھی سے وہ آ کر کہئے اس وقت کا ملّی کہاں ہیں

◆◆◆

ص ۵۴ رکا بقیہ..

گیا اور زندگی کی ایک عظیم مسرت کے حصول میں کامیابی حاصل ہو ہی گئی، اب اپنے سامنے ملتِ اسلامیہ کے اس عظیم قائد اور رہنما کی جلوہ گاہ ہے اور حضور امام العلما کی عنایتوں کے دامن میں بندۂ عاصی دست بستہ کھڑا ہے۔

تھوڑی دیر میں امام العلما نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور یکایک آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی دعا کا بوسہ لینے لگی، تقریباً آدھا گھنٹہ تک دستِ دعا پھیلائے رہنے اور اشکوں کی سوغات پیش کرنے کے بعد دل کے مدوجزر میں سکون کا ماحول پیدا ہوا اور پھر الٹے قدم باہر ہو گئے، غروبِ شمس سے قبل اسلامیہ انٹر کالج کے میدان میں پہنچے، ہر سو علما کا ازدحام، طالبانِ علومِ نبویہ کی آمد ورفت سے چہل پہل اور عاشقانِ مصطفیٰ کے ہجوم سے ہنگامۂ محبت وعقیدت کا خوشگوار منظر قابلِ دید تھا۔

کسی طرف تھوڑی سی جگہ پا کر حضور امام العلما نے اپنا ہرے رنگ کا رومال زمین پر بچھا کر گویا غنی کے در پر بستر لگا دیا، ایسے جلیل القدر اور عظیم المرتبت عالم ربانی کی اس کیفیت کو دیکھ کر راقم سے نہ رہا گیا اور حضرت امام العلما کی بارگاہ رعب ودبدبہ میں جرأت کرتے ہوئے بول پڑا ''حضرت! آپ اپنا رومال اس طرح بچھا کر کیوں بیٹھ گئے؟

میری عرض کی منشا یہ تھی کہ جس ذات کا مسند علم وحکمت ادارہ میں بہت بلند وبالا رہتا ہو، وہ ایک عام انسان کی مثل کس طرح زمین پر بیٹھ گیا، میرے جملوں کا تار ٹوٹا اور ادھر محبت وعقیدت اور عظمت وعزت کا آبشار پھوٹا اور زبانِ حق ترجمان سے موتیوں کی جھڑی لگتی دکھائی دی، فرمایا:

''میاں! آقاؤں کے یہاں آقائی نہیں دکھائی جاتی، یہ شہر بریلی ہے، جہاں علما نہیں علم طواف کرتا ہے، نہ معلوم کتنے صاحبانِ جبہ ودستار اس در پر مچلتے نظر آتے ہیں۔''

حضور مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی زبان سے ان جملوں کو نکلے ہوئے تقریباً چونتیس سال ہو گئے مگر ان کی ہیبت آج بھی میرے قلب وجگر پر قائم ہے، ساتھ ہی بریلی شریف سے حضور والا کی دلی وابستگی، قلبی لگاؤ اور اس مقدس شہر کی تعظیم وتوقیر سے مشکبار دل و دماغ کی حالت بھی عیاں ہے، حضور استاذ گرامی کی بارگاہ میں منقبت کے چند اشعار ہو گئے ہیں، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں ؎

آپ کی شان بیاں کیا ہو، امام العلما
جو عیاں ہو وہ نہاں کیا ہو، امام العلما

سب کو حیران کیا آپ کی تفہیم نے ہے
پھر بھلا ورد زباں کیا ہو، امام العلما

علم وفن، فکر ونظر، حکمت ودانائے سے
جانتے تھے کہ کہاں کیا ہو، امام العلما

جس کا دل عشق سے معمور ہو بدلہ اس کا بجز باغ جناں کیا ہو، امام العلما

سر پہ اخترؔ کے ہے جب ظلِ کرم آپ کا تو
پھر اسے فکرِ زیاں کیا ہو، امام العلما

.........جاری

اسلاف واخلاف

از: مفتی محمد شمشاد حسین رضوی *

امام احمد رضا کی فارسی شاعری میں صوفیانہ اثرات

[چوتھی اور آخری قسط]

گزشتہ سے پیوستہ

یہ بات کسی حد تک مشاہدہ میں آچکی ہے کہ عشق ومحبت . . . پیار وخلوص . . . والہانہ عقیدت . . . عجز وانکساری اور دلوں کی گہرائی میں جس قدر بھی جذبات واحساسات پائے جاتے ہیں ان میں ارتقائی کیفیت پائی جاتی ہے مگر اس کی رفتار کا عالم وہی ہوتا ہے جو رفتار سمندر کی گہرائی میں پانی کی روکی ہوا کرتی ہے یعنی نہایت ہی سبک روی کے ساتھ پانی چلتا ہے اور خراماں خراماں چلا کرتا ہے بعینہ یہی صورت دل کی گہرائیوں میں پائے جانے والے جذبات واحساسات کے روکی ہوا کرتی ہے . . . عشق ہو یا محبت ہو نہ اس میں طغیانی جیسی سرکشی پائی جاتی ہے اور نہ اس کی تلاطم خیزی کسی بربادی کی طرف لے جاتی ہے . . . کہ کوئی محبت میں برباد نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی عشق کسی کے لئے بری خبر لے کر آتا ہے اور جب کوئی عشق میں خانہ خراب ہوتا ہے یا اس کی زندگی کا سب کچھ لٹ جاتا ہے اور عشق کرنے والا کہیں کا نہیں رہتا ہے تو صحیح معنی میں یہ عشق نہیں ہوتا ہے نفس پرستی ہوا کرتی ہے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ عشق کے تعلق سے بربادی کا واقع ہونا . . . یہ خیال ہمارے سماج کے کچھ افراد کا ہو . . . انہوں نے اپنے خیال کی تشکیل میں کہیں نہ کہیں کسی غلط سوچ اور غیر معیاری فکر سے کام لیا ہے انہیں اپنے خیال کی اصلاح کر لینی چاہیے . . . اس بارے میں دانشوروں کا خیال ہے جو بھی خانہ خراب ہو رہا ہے یا اس کی زندگی میں بربادی نے قدم رکھ دیا ہے تو اس کی وجہ عشق نہیں اور نہ ہی محبت ہے . . . اس کی بربادی کا سبب اس کی اپنی نفسانیت ہے اور نفسانی خواہشات ہے . . . جس طرح کوئی چمکتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ لیتا ہے اسی طرح ہمارے سماج کے کچھ افراد نے نفسانی خواہشات کو عشق ومحبت سمجھ رکھا ہے اور پھر بربادی کو عشق ومحبت کی جانب منسوب کر دیا ہے . . . جب کہ ایسا قطعی نہیں ہے تاریخ میں ایسے ہزاروں افراد ہیں جنہوں نے عشق کیا اور عشق ہی میں مر گئے تو ان کا نام آج بھی روشن ہے ان کے کردار ماہ وخورشید کی مانند چمکتے ہیں اور پھولوں کی مانند خوشبو دیا کرتے ہیں . . . حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی عشق کیا . . . عشق ہی سے کام لیا انہوں نے اپنے اکابر سے اپنے مشائخ سے اور اپنے سلسلہ کے بزرگوں سے عشق کیا ہے . . . ان کا عشق نہایت ہی پاکیزہ عشق تھا ان کے عشق نے ارتقائی سفر کیا . . . اپنے پیر ومرشد سے عشق کیا پھر حضور اچھے میاں سے عشق کیا حضرت شاہ برکات سے عشق کیا اسی طرح مرحلہ وار عشق کرتے ہوئے حضرت سیدنا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جناب میں حاضر ہوئے چونکہ ان کا قلب نازک نہایت درجہ تک صاف شفاف تھا . . . اسی شفافیت کا نتیجہ ہے کہ ان کے عشق کی تابناکی دل کے حدود سے باہر نکلے اور چہرہ ومہرہ تک جا پہونچے اور وہاں سے منتقل ہو کر ان کے قلم میں ڈھل گیا اور پھر قلم پاک نے تحریروں میں تابناکی پیدا کر دی ہے یہی سبب ہے کہ ان کی تحریر کا ایک ایک لفظ شب دیجور میں ستاروں کی مثل چمک رہا ہے . . . اسی لئے میں کہا کرتا ہوں انہوں نے بزرگوں کی شان میں جو کچھ بھی کہا ہے اس میں عشق کی روشنی پائی جاتی ہے اور خوشبوئیں رچی بسی ہیں . . . ان کی شاعری سے کون کس قدر خوشبوؤں کو کشید کرتا ہے؟ یہ ان کی شخصیت اور اس کی صلاحیت پر موقوف ہے . . . جس نے اس راز کو سمجھا اس نے استفادۂ تام کیا اور جس نے نہیں سمجھا وہ استفادہ سے بھی نا سمجھ ہو گیا . . . سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی فارسی شاعری میں سب سے زیادہ حضرت سیدنا غوث پاک کا ہی تذکرہ ملتا ہے

* مضمون نگار مدرسہ شمس العلوم، گھنٹہ گھر، بدایوں کے پرنسپل ہیں۔

...آپ نے مختلف انداز میں اور مختلف جہتوں سے ان کا تذکرہ کیا ہے... مجھے کیا بلکہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ان کے تذکرے کو کہاں سے شروع کیا جائے اور کہاں پر ختم کیا جائے؟ ان کا تذکرہ ہی اس طرح کا ہے کہ اس کی ابتدا بھی انتہا کی مانند ہے اور انتہا بھی ابتدا کی طرح تاباں اور درخشاں ہے... بہر حال کہیں نہ کہیں سے تو شروع کرنا ہی پڑے گا۔

امام احمد رضا اور وظیفہ قادریہ

سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۳۲۱ھ میں ''وظیفہ قادریہ'' کے نام سے ایک نظم تحریر کی ہے اس نظم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس نظم میں جن احساسات وجذبات اور افکار وخیالات کو پیش کیا ہے حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ کے حوالے سے پیش کیا ہے، براہ راست پیش نہیں کیا ہے...سب سے پہلے انہوں نے حضرت غوث پاک کے ایک شعر کو پیش کیا ہے پھر آپ نے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے، اس کے بعد ہی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے پاکیزہ اور لطیف خیالات کو پیش کیا ہے...اسی طریقہ پیش کش کو فن شاعری میں ''تضمین'' کہا جاتا ہے...کسی کے ضمن میں اپنے افکار کو پیش کرنے کو تضمین کہا جاتا ہے... تضمین کہنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے لئے بہت سی دشوار اور مشکل ترین وادیوں سے گزرنا پڑتا ہے اور جس کے کلام پر تضمین کی جارہی ہے، اس کے ہم خیال اور ہم آہنگ ہونا بہت ضروری ہوا کرتا ہے... اس کے علاوہ ذہنی طور پر قربت بھی ضروری ہوا کرتی ہے بغیر اس دہنی قربت کے کوئی تضمین کر ہی نہیں سکتا ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ''قصیدۂ غوثیہ اور اپنی تضمین'' کو ''وظیفہ قادریہ'' کا نام دیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے نزدیک وہ اس قدر محترم اور محتشم بالشان ہے کہ اسے اپنے ورد میں رکھا اور اسے حصول برکت کے طور پر استعمال کیا گیا۔

اس کے ورد میں جو ساعتیں صرف ہوئیں وہ کس قدر پاکیزہ ہو نگیں کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے اور میرا اذعان بول رہا ہے، اس کے لکھنے میں میری جو ساعتیں صرف ہو رہی ہیں ان میں بھی میرے غوث پاک کی نظر عنایت برابر میرے اوپر رہیں گی اور اس دولت سرمدی سے نہ صرف ہم مالا مال ہوں گے بلکہ وہ بھی مالا مال ہوگا جو اس کا مطالعہ کرے گا...اسی جذبہ خلوص کے ساتھ ہم اس کا ترجمہ اور تشریح کرنے جا رہے ہیں تاکہ میری زندگی میں کچھ ایسی دستک دے دیں جو ہمارے لئے زندگی کی انمول دولت ثابت ہو جائے تو پھر اب دیر ہی کیا آپ کی سماعت کے حوالہ حاضر ہے۔

فارسی اشعار

سقانی الحب کأسات الوصالی
فقلت لخمرتی نحوی تعالی

داد عشقم جام وصل کبریا
پس بگفتم بادہ ام را سویم مرا

الصلا اے فضلہ خوران حضور
شاہ بر جود ست وصہبا در وفور

بخش کردن گر نہ عزم خسروی ست
آخر ایں نوشیدہ خواندن بہر چیست

اردو ترجمہ

عشق نے مجھے وصل کبریا کا جام دیا...میں نے شراب سے کہا میری طرف بھی آ...دعوت عام ہے اے حضور کے جھوٹا کھانے والوں کے لئے...کہ شاہ بخشش پر ہے اور صہبا یعنی شراب جوش پر...اگر بادشاہ کا ارادہ کسی کو عطا کرنے کا نہیں...تو پھر یہ کھلانا اور پلانا کس لئے ہے۔

مطلب خیز تشریح...امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے کلام میں لفظ ''الصلا'' کا استعمال کیا ہے لغت میں اس کے دو معانی آتے ہیں...اوّل معنی دعوت عام ہے اور دوسرا معنی اس لفظ کے ذریعہ کسی کو کھانے کے لئے بلایا جاتا ہے گویا امام احمد رضا فاضل بریلوی نے یوں پکارا...قادری دسترخوان سے بچی کھچی کھانے والو! آؤ! کہ قادری شاہ دینے پر ہے اور یہاں صہبا

رضویات

بھی جوش پر ہے۔۔۔اگر وہ دینے اور عطا کرنے پر نہ ہوتے تو پھر یہ انتظام وانصرام کس لئے ہے؟ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت دربارِ غوث میں ہمارے بھی نمائندے ہیں اور غوث پاک کی جانب سے قادریت کے ترجمان بھی ہیں۔

فارسی اشعار

سعت و مشت لنحوی فی کؤس
فھمت لسکرتی بین الموالی

شد دواں درجامہا سویم رواں
والہ سکرم شدم در سروراں
شکر تو از ذکر و فکر اکبر بود
سکر کو چوں حکم خود بر می رود
سوئے مے بربوئے مے مرداں رواں
بادہ خود سویت بپائے سر دواں

اردو ترجمہ

شراب خود جاموں میں ہو کر میری جانب دوڑی ہوئی آئی ۔۔۔شراب محبت پی کر میں سرداروں کے درمیاں مدہوش ہو گیا ۔۔۔تیرا شکر تو اللہ تعالیٰ کے فکر وذکر کے سبب ادا ہوا کرتا ہے۔۔۔ اور سکر کو جو حکم ملتا ہے وہ بجا لاتا ہے۔۔۔شراب کی جانب شراب کی بو کے پیچھے لوگ دوڑتے آئے اور خود بادہ تیرے پاس سر کے پاؤں سے بھاگتی ہوئی آئی۔

تشریح۔۔۔کیا خوب انتظام میکدہ ہے کہ بادہ از خود جام میں ہو ہو کر سرپٹ دوڑتا ہوا آرہا ہے۔۔۔ایک شکر ہوتا ہے اور دوسرا اسکر ۔۔۔شکر تو ذکر و فکر سے ادا ہو جاتا ہے اب رہی بات سکر کی تو اس کا یہ حال ہے کہ اسے جو حکم ملتا ہے وہی بجا لیتا ہے اور لوگ تو مے کی بو کو سونگھ کر اس کے پیچھے بھاگا کرتے ہیں اور یہاں یہ حال ہے کہ مے خود سر پر پاؤں رکھ کر دوڑتی ہوئی آتی ہے۔۔۔یہ بلند رتبہ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔

فارسی اشعار

فقلت لسائر الاقطاب لموا
بحالی وادخلوا انتم رجالی

گفتم اے قطباں بعون شان من
جملہ آئیدتاں مردان من
جمع خواندی تا قوی دلہا شوند
ہم از عونِ حالِ خود دادی کمند
ورنہ تا بام حضور تو صعود
حاش للہ تاب و یارائے کہ بود

اردو ترجمہ

میں نے کہا: اے تمام جہاں کے اقطاب! سب کے سب میری شان بلندی کی حمایت میں آجاؤ کہ تم سب کے سب میرے ہی افراد رجال ہو تم نے تمام اقطاب جہاں کو اس لئے جمع کیا تا کہ ان کے دل قوی ہو جائیں۔۔۔اس طرح آپ نے اپنی شان امداد کا کمند سب لوگوں پر ڈال دیا۔۔۔ورنہ تیرے حضور کی چوکھٹ پر کون آسکتا ہے؟ نعوذ باللہ کس میں ایسی طاقت وتوانائی ہے؟

تشریح۔۔۔ویسے ان اشعار کا مطلب تو ظاہر ہے کہ حضرت سید غوث اعظم کی شان بلندی؟ کیا کہنا؟ اس بارے میں کون کیا کہہ سکتا ہے؟ انہوں نے سب کو اپنے اردگرد اس لئے بلایا تا کہ یہ سب کے سب قوی ہو جائیں ورنہ تیرے حضور کی چوکھٹ پہ قدم رکھنے کی کس میں جرأت وہمت ہے؟

فارسی اشعار

وھموا واشربوا انتم جنودی
فساقی القوم بالوافی فی ملال

ہمت آرید وخورید اے لشکرم
ساقیم دادہ لبالب ازکرم
شکر حق جامِ تو لبریز مے ست
ہر لبالب راچکیدن درپئے ست
تا بماہم آید انشاء أعظیم
آں نصیب الارض من کأس الکریم

اردو ترجمہ

ہمت جُٹاؤ اور پیواے میرے لشکروں۔۔۔کہ ساقی نے مجھے کرم سے بھرا ہوا جام دیا ہے۔۔۔حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ تیرا جام

رضویات

مے سے لبریز ہے۔۔۔اور ہر بھرے ہوئے جام کو ایک کے بعد ایک کو چکھنا ہے۔۔۔اور مجھ تک بھی وہ جام آئے گا ان شاء العظیم ۔۔۔کیونکہ وہ زمین کا حصہ ہے کریم کے کاسہ سے۔

تشریح۔۔۔حضرت غوث اعظم نے اپنے دور کے تمام اقطاب کو اپنے لشکروں میں شمار کرتے ہوئے فرمایا: ہمت کرو اور پیو کہ مجھے ساقی نے بھرا ہوا جام دیا ہے اس کے بعد اعلی حضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کا شکر عظیم ہے کہ میرے غوث کو بھرا ہوا جام ملا ہے اور جب ایسی بات ہے تو وہ جام مجھ تک ضرور آئے گا کیونکہ کریم کے جام و مینا میں سوکھی ہوئی زمین کا بھی حصہ ہوا کرتا ہے۔

مقام غور یہ ہے کہ اعلی حصرت فاضل بریلوی نے بارگاہ غوثیت سے یہ امید لگا رکھی ہے کہ جو جام محبت سرکار غوث کو ملا ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ نہ کچھ ضرور ملے کہ شاہوں کے جام میں سوکھی ہوئی زمین کا بھی حصہ ہوا کرتا ہے اپنے آپ کو سوکھی ہوئی زمین سے تعبیر کرنا کس قدر معنی خیز ہے؟ اسے کون بیان کر سکتا ہے بس یہی تعبیر انہیں اہل تصوف کی جماعت میں اعلی مقام عطا کرتی ہے اسی لئے میں نے اپنے ایک مقالے کا عنوان ہی ''مجدد قادریت'' کو قرار دیا ہے جو ''مسلک اعلی حضرت منظر پس منظر جلد اوّل'' میں شامل ہے۔

شربتم فضلتی من بعد سکری
ولا نلتم علوی واتصالی

من شدم سرشار وسورم می چشید
رخت تا قرب وعلوم کے کشید

فضلہ خورانش شہاں ومن گدائے
روئے آنم کو کہ خواہم قطرہ لائے
یللے جود شہم گفتہ ملائے
مے طلب لانشنوی ایں جانہ لائے

اردو ترجمہ

میں سرشار ہو گیا اور تم لوگوں نے میرے جھوٹے کو چکھا۔۔۔ تیرا چہرہ میری بلندی اور قرب کو کیسے پہونچ سکتا ہے؟۔۔۔ان کے جھوٹے پر گزر بسر کرنے والے بادشاہ ہیں اور میں گدا۔۔۔میرا یہ نصیب کہاں کہ میں اس شراب کی تلچھٹ کا کوئی قطرہ چاہوں؟ واہ کیا خوب میرے شاہ کی بخشش؟ کہا جائے کہ وہ بھری پری ہے۔۔۔اسی لئے مے کا طالب نہ لا سنتا ہے اور نہ ہی اسے تلچھٹ دیا جاتا ہے بلکہ وہ دینے پر آتا ہے تو بھر پور دیا کرتا ہے۔

تشریح۔۔۔میرے غوث کی کیا شان زیبائی ہے؟ کہ جب وہ سرشار ہوا کرتا ہے تب کسی کو کچھ ملا کرتا ہے۔۔۔جب یہ حالت ہے تو کوئی بھی ان کے قرب اور بلندی تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ جب ان کے جھوٹے کھانے والے بادشاہ ہو جاتے ہیں تو ہم جیسے گداؤں کا کیا ہوگا؟ مگر میرے شاہ کا کرم تو دیکھو! جب وہ کسی کو دینے پر آتا ہے تو نہ تلچھٹ دیتا ہے اور نہ نا کسی کو کہتا ہے۔۔۔جب وہ نہ کسی کو نا کہتا ہے اور نہ کسی کو تلچھٹ دیتا ہے تو پھر مجھے بھی یقین ہے کہ وہ جب بھی دے گا تو بھر پور ادے گا۔

مقامکمالعلیٰ ولکن جمعا ولکن
مقامی فوقکم مازال عالی

جاے تاں بالا ولے جایم بود
فوق تاں از روز اول تا ابد
جات بالاتر زوہم جائہا
جائہا خود ہست بہر پائہا
پائہا چہ بود کہ سرہا زیر پات
پات ہم کے چوں فرود آئی زجات

اردو ترجمہ

تم لوگوں کی جگہ بلند لیکن میری جگہ۔۔۔ان سے بلند روز اول سے ابد تک۔۔۔تیری جگہ ان کی جگہوں کے وہم سے بھی بلند تر۔۔۔خود ان کی جگہ تیرے پاؤں میں ہے۔۔۔پاؤں کی کیا بات؟ ان کے سر تیرے زیر پا ہیں۔۔۔تیرے پاؤں کو بھی کیسے پہنچ سکتے جب تو اپنے منصب سے نیچے آئے۔

تو ظاہر سی بات ہے ان اقطاب جہاں کے سر نیاز بھی نیچے ہوتے چلیں گے اس لئے آپ کے پائے مبارک سے ان کے سروں کے مس ہونے کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔۔۔ہاں حصول

برکت کے لئے سارے جہاں کے اولیا اپنے سروں کو غوث پاک کے مبارک تلوؤں سے مس کر سکتے ہیں اور یہی قرین قیاس ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنی اردو شاعری میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ؎

واہ کیا مرتبہ ؟ اے غوث! ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

اس بند کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس میں صنعت اتصالی تربیعی سے کام لیا ہے۔

فارسی اشعار

انا فی حضرة التقریب وحدی
یصرفنی وحسبی ذوالجلال

یکہ در قربم خدا گرداندم
حال و کافی آں جلیل واحدم

ایکہ می گرداندت آں یک نہ غیر
حال ما گرداں زشرہا سوئے خیر

تاج قربش شادماں برسر بنہ
شئی للہ قرب خود مارا بدہ

اردو ترجمہ

خدا کے قرب میں، میں ایک ہوں... جو میرے حال کو پھیر رہا ہے وہ جلیل واحد میرے لئے کافی ہے... وہ جو تجھے پھیر رہا ہے ایک ہے اس کے سوا کوئی غیر نہیں... میرے حال کو بھی پھیر دے برائیوں سے خیر کی جانب... تاج قربت واہ واہ اپنے سر پاک پر رکھ لے اللہ کے لئے اپنے قرب میں سے کچھ مجھے بھی عطا کر دے۔

تشریح... اس مجلس قرب میں تنہا غوث اعظم ہیں ان کے سوا کوئی غیر نہیں وہی ان کے احوال زندگی اور مقامات کو ترقی دیتا ہے میرے غوث پاک کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اہل دنیا کی حاجت نہیں... سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بارگاہ غوثیت میں یہ التجا پیش کی ہے اس قرب میں سے مجھے بھی کچھ عطا کر دے... میرا اذعان بول رہا ہے کہ غوث پاک نے اس قرب میں سے عطا کر دیا ہے اسی لئے پوری دنیا میں ان کی ذات اور ان کے شرعی نظریات و رجحانات حق و باطل کے مابین امتیازی شان رکھتی ہیں... یہ فیض و برکت ہے سیدنا غوث اعظم کی۔

فارسی اشعار

انا البازی اشهب کل شیخ
ومن ذا فی الرجال أعطی مثالی

باز اشہب ما وشیخاں چوں حمام
کیست در مرداں کہ چوں من یافت کام

حبذا شہباز طیر ستان قدس
اے شکار پنچہ ات مرغان قدس

شادماں بر قمری کو تر بزن
گہ نگہ برخستہ چغدے ہم فگن

اردو ترجمہ

ہمارے شیخ طاقت ور باز ہیں اور حضرات شیوخ مثل کبوتر... کون ہے؟ مردوں میں جو میری مانند مراد کو پالے... مبارک ہوائے قدسی پرندوں کے شہباز... اے شکار تیرا پنجہ مرغان قدس تک پہنچا ہوا ہے... خوشیاں ہوں قمری کے لئے کہ وہ خوش آواز ہے... اس زخمی کمترین پر بھی ایک نظر ہو۔

تشریح... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے آپ کو زخمی کہا ہے اور کمترین سے بھی تعبیر ہے اس کے بعد بارگاہ غوثیت سے نگاہ کرم کی درخواست کی ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے آپ کو غوث پاک کی محبت میں فنا کر دی ہے اس کے ساتھ ہی آپ نے قمری جیسے خوش نغمہ سنج کے لئے جذبہ مسرت کا اظہار فرمایا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے دل میں کسی قسم کا حسد کا مادہ نہیں ایک صوفی کا مزاج بھی اسی طرح کا ہوا کرتا ہے یہ بند خالص صوفیانہ جذبہ کی حامل ہے۔

یہ نظم بڑی طویل نظم ہے... اس کا مطالعہ کرنے سے واضح

ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا غوث اعظم نے اپنے ہندی نژاد غلام کے لئے فیض و برکت کا دریا جاری کر دیا ہے اور امام احمد رضا فاضل بریلوی اس سے سیراب ہو رہے ہیں اور انوار وتجلیات سے نہال ہو رہے ہیں.. طبیعت چاہ رہی تھی کے اس پوری نظم پر گفتگو کروں مگر صفحات کی تنگی کے سبب ایسا نہ کرسکا... میں نے اب تک جس قدر لکھ دیا ہے اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے فارسی کلام میں تصوف کے اثرات کس حد تک پائے جاتے ہیں اور یہ اثرات کس قدر گہرے ہیں؟ سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فارسی کلام اور بھی ہیں.. مثنوی ردامثالیہ بھی ہے... یہ مثنوی زبیان و بیان... فصاحت و بلاغت اور حسن بیان میں اپنی مثال آپ ہے۔

اس میں بھی انفرادیت پائی جاتی ہے اب تک کسی بھی زبان و ادب کی مثنویوں کی جو روایت رہی ہے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس روایت سے ہٹ کر اپنی مثنوی ردامثالیہ تصنیف کی ہے اس کا رنگ وآہنگ اور زبان و بیان میں اسی طرح اس کے اسلوب میں ندرت و بانکپن پایا جاتا ہے... انشاء اللہ جب کبھی موقع ملے گا اس پر لکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

◆◆◆

ص ۴۱/کا بقیہ.........................

عجب کچھ پھیر میں ہے سینے والا جیب و داماں کا
اِدھر ٹانکا، اُدھر ادھڑا، اُدھر ٹانکا اِدھر ادھڑا

دینی تصلب آپ کی ''فطرت ثانیہ'' بن چکا تھا... خاص طور سے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' پر آپ عمل پیرا تھے.. فکر ونظر اور شعور ادراک میں بھی اسی کی جھلک پائی جاتی تھی آپ کے نزدیک ''مسلک اعلیٰ حضرت'' ہی ''دین حق'' کی تعبیر ہے اور دور حاضر میں یہی ''مسلک اہل سنت وجماعت'' کی شناخت و امتیاز ہے... یہی آپ کا نظریہ تھا اور عمل بھی اسی پر تھا... ایسا انسان کامیاب نہیں ہوگا تو پھر کون کامیاب ہوگا... وہ کس طرح کامیاب ہوسکتا ہے؟ جو غیروں سے راہ و رسم رکھتا ہے اور ان کے ساتھ کھانے پینے اور رہنے سہنے کو روا رکھتا ہے... اسی لئے

حضرت والا کے انتقال سے علم وفن اور فکر وشعور کا چمن مرجھایا ہوا ہے اور سونا سونا دکھائی پڑ رہا ہے۔

اس پہلی ملاقات کے بعد تو ملاقتوں کا تسلسل قائم ہو گیا اور خاص طور سے ''شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف'' کے ''فقہی سیمناروں'' میں ملاقات ہوتی رہی.. جیسا میں نے انہیں پہلی ملاقات میں محسوس کیا تھا اس کے بعد والی ملاقتوں میں بھی میں نے حضرت مفتی صاحب قبلہ ویسا ہی پایا... میں نے ان میں ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہ کیا... ہاں ہر ملاقات میں ان کی شفقتیں بڑھتی چلی گئیں... اس لئے ان کے جانے کے بعد میرے دل کو کافی جھٹکا لگا... یہ ایک حقیقت ہے کہ جو چلا جاتا ہے ان کی کوئی پرتی نہیں کر پاتا ہے... جو خلا ''حضرت مفتی صاحب'' چھوڑ گئے ہیں ان کی بھرپائی کس طرح ہوگی؟ یہ سوال ہر ایک کو پریشان کر رہا ہے... جہاں تک ''مرکز اہل سنت بریلی شریف'' سے ان کی قربت و محبت تھی... اسے ہم کیا کوئی بھی فراموش نہیں کرسکتا ہے ''حضور تاج الشریعہ'' انہیں بہت چاہتے تھے اور دل سے محبت کرتے تھے۔

میں نے خود دیکھا ہے کہ جب کوئی ان کا شاگرد ان سے ملنے کے لئے آتا یا جب کبھی کوئی ان کے علاقہ سے فیضیاب ہو نے کو حاضر ہوتا تو آپ ان سے ''مفتی صاحب'' کی خیریت پوچھتے اور فرماتے: مفتی صاحب کیسے ہیں؟ ان سے میرا اسلام ضرور کہئے گا... ابھی تو ان کے بارے میں لکھنے کو بہت کچھ باقی ہے پھر کبھی ان کے مقالوں کا فکری فنی تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

بس میری یہی دعا ہے کہ پروردگار عالم انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کی تربت پاک پر رحمت و انوار کی برسات کرے اور ان کے جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

◆◆◆

جو پیا کو بھائے اختؔر وہ سہانا راگ ہے
جس سے ناخوش ہوں پیا وہ راگنی اچھی نہیں

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ

خراجِ عقیدت

استاذ العلما حضرت علامہ

مفتی محمد شبیر حسن رضوی

علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر ادارہ سنی دنیا کی

خصوصی پیش کش

نشتر فاروقی

از: مفتی محمد شمشاد حسین رضوی*

مسلک رضا کا سپہ سالار نہ رہا

یہ دنیا اگرچہ فانی ہے۔اسے ایک نہ ایک دن مٹنی ہے اور وہ مٹ کر رہے گی۔۔۔ہاں صرف ایک ذات باقی رہ جائے گی۔۔۔اس کا نام سدا رہ جائے گا اور وہ ذات خدائے برتر و بالا کی ذات ہے۔۔۔وہ نام اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔۔جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ جل مجدہ کا ارشاد ہوتا ہے:

"کل من علیھا فان ویبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام۔ زمین و آسمان کے مابین جس قدر چیزیں ہیں،سب کی سب فنا ہو جائیں گی۔ہاں! تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو عزت وجلال والا ہے۔"

ارے صوفیائے کرام نے بھی اس دنیا کی ناپائیداری کا ذکر کیا ہے اور انسانی زندگی کو ایک "بلبلہ" کی مانند بتایا ہے۔۔۔اسی جذبہ کا اظہار میر تقی میر نے اپنے ان اشعار میں کیا ہے، ملاحظہ ہو ؎

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
مستی ساری سراب کی سی ہے
اس کے لب کی نازکی کیا کہئے
پنکھڑی گلاب کی سی ہے

ان اشعار میں دنیا کو اور دنیا میں رہنے والے تمام انسانوں کی زندگیوں کو "حباب" جیسی بتائی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری آپ اور سب کی زندگی کیا ہے،اس بلبلے کی مانند ہے جو بارش کے دنوں میں نمود پذیر ہوتی ہے۔۔۔باوجود انسانی زندگی کی اس بے ثباتی اور ناپائیداری کے "جناب میر تقی میر" نے محبوب کے نازک لبوں کی تعریف کی ہے اور انہیں گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دے کر ان کے حسن و جمال میں چار چاند لگا دئیے ہیں۔۔۔جو اس بات کا پکا ثبوت ہے کہ دنیا اپنی بے ثباتی کے باوجود ان میں ایسی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے یہ دنیا سارے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے اور اس میں کیف ونشاط کے ایسے پہلو بھی پائے جاتے ہیں جو کائنات کے خالق و مالک اور سارے جہاں کے رازق اور روزی رساں کا پتہ بتاتے ہیں اور رب کی معرفت کا سراغ فراہم کرتے ہیں۔۔۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں اسی رب کا جلوہ آشکار ہوا کرتا ہے اور دیکھنے والی نگاہوں کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔۔۔اسی معرفت کی تلاش میں انسانوں نے جنگلوں اور صحراؤں کو اپنا مسکن بنا لیا ہے۔۔۔ذرا سوچئے! اگر ان ذروں میں اس کے جلووں اور کرشموں کا تبسم نہ پایا جاتا تو پھر دنیا میں کیا رکھا تھا۔

صبح کے وقت شبنمی قطرے جنہیں عام لوگوں کی زبان میں "اوس" کہا جاتا ہے۔۔۔میں مانتا ہوں کہ ان کی عمر بہت ہی کم ہوا کرتی ہے کیونکہ یہ قطرے ابھی فوری طور پر مسکراتے ہیں اور چند ساعتوں کے بعد ہی سورج کی کرنیں انہیں کھا جاتی ہیں۔۔۔اور ان کا وجود اس طرح مٹ جاتا ہے کہ جیسے ان کا وجود ہوا ہی نہ ہو۔۔۔لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ شبنمی قطرے اپنی قلیل مدتی زندگی کے باوجود گلاب کے پودوں اور دوسری قسم کے پیڑ پودوں کو تازہ زندگی دے جاتے ہیں اور شگفتہ کلیوں کو مسکرانے کا نیا انداز عطا کر جاتے ہیں۔

اس دنیا میں کیا نہیں ہے ہزار ہا قسم کی نعمتیں پائی جاتی ہیں۔۔۔کیف ونشاط کے بے انتہا طور طریقے دیکھنے کو مل جاتے ہیں اور مسکان کے نہ جانے کس قدر امکانات پائے جاتے ہیں کہ اب تک کسی نے بھی اس کے امکانات کا صحیح معنی میں جائزہ نہیں لیا ہے اور جس کسی نے بھی اس کا جائزہ لینے کی طرف قدم بڑھایا ہے جائزہ لینا تو دور کی بات ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ خود

مفتی شبیر حسن رضوی

ہی جائزہ لینے والا اس کے مختلف درجات میں سے کسی ایک درجہ میں کھو جاتا ہے۔۔۔اس بات سے انکار نہیں کہ ان کا قدم اپنے مقصد کی جانب بڑھتا ہے اور یقیناً بڑھتا ہے۔۔۔آگے بڑھنے کی جس قدر بھی کوشش کی جاتی ہے۔۔۔اس کو ناکارہ نہیں کہا جا سکتا ہے بلکہ وہ کوشش لائق ستائش ہوتی ہے۔۔۔مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جائزہ لینے والا اس راستہ کی لذتوں میں اس قدر کھو چکا ہوتا ہے کہ اسے آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہیں رہتی۔۔۔جائزہ کا یہ سفر کچھ آسان سفر نہیں ہوتا۔۔۔اس سفر میں نہ جانے کس قدر کارواں لٹے ہیں اس بارے میں کسی کو کوئی جانکاری نہیں۔۔۔نہ اس کی کوئی گنتی ہے اور نہ اس کا کوئی شمار ہے۔۔۔اس سفر میں سرمائے بھی لٹتے ہیں اور ہوش و خرد بھی۔۔۔ فکر و شعور بھی لٹتے ہیں اور جان و دل بھی۔۔۔اس بات کا ضرور خیال رہے کہ یہاں لٹے جانے کو مبتذل معنوں میں نہ لیا جائے بلکہ اس سے وہ معنی مراد لیا جائے جس میں حسن و بانکپن اور جذب و کشش پائے جاتے ہیں۔

اس قسم کا سفر علم و شعور کا ہوا کرتا ہے۔۔۔فکر و ادراک کا ہوا کرتا ہے۔۔۔قلب اور روح کا ہوا کرتا ہے۔۔۔جو اس راہ میں کامیاب ہوا کرتا ہے خواہ اس کی کامیابی کا تعلق کسی بھی درجہ سے ہو۔۔۔مجھے اس درجہ کے تعین سے کوئی سروکار نہیں۔۔۔اور نہ ہی یہ میرے بس کی بات ہے۔۔۔مجھے تو صرف یہ بتانا ہے کہ اسی طرح کامیاب انسان ہی اس دار فانی کو عنبر زار بنا دیتا ہے اور اس کے کوہساروں کو نہ معلوم کیا کیا بنا دیتا ہے۔۔۔جہاں تک اس کے ویرانوں کی بات کی جائے تو میں نہایت ہی یقین کے ساتھ یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ ایسے ہی کامیاب لوگ ہوا کرتے ہیں جو ویرانوں میں بھی لالہ و نسترن کے پھول اُگا دیتے ہیں۔۔۔سخت قسم کے چٹانوں اور اس کے ریگ زاروں کو بھی مسکرانے پر مجبور کر دیا کرتے ہیں۔۔۔جب ان کی یہ کامیابی رنگ لاتی ہے تو یہ دنیا چمن بن جاتی ہے اور کائنات گلشن و گلستاں بن کر مسکرا جاتی ہے۔۔۔جب تک یہ کامیاب انسان رہتا ہے۔۔۔ ان کی کوششیں کام کرتی ہیں اور ان کے بڑھتے قدم اُٹھتے رہتے ہیں تو یہ چمن مسکراتا رہتا ہے۔۔۔یہ گلستاں تبسم ریز ہوا کرتا ہے۔۔۔اس کی نکہتیں بہت بہت دور تک پھیل جایا کرتی ہیں اور جب کسی کامیاب انسان کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں تو یہ چمن سونا ہو جاتا ہے اور اس کے ہونٹوں سے اس کا مسکان چھن جاتا ہے۔۔۔اسی لئے میں نے کہا: آہ! یہ چمن سونا رہ گیا۔

یہ چمن کیوں سونا ہے؟ اس کی سبز و شادابی کہاں گئی؟ اس کے لبوں سے مسکان گیا تو آخر کہاں گیا؟ اور وہ کون ہے؟ جو اس کی مسکراہٹ کو لے گیا اور اسے داغ مفارقت سے مجروح کر گیا ہے۔۔۔یہ بات تو ایک حقیقت ہے کہ جب کسی چمن میں اداسی چھا جاتی ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کوئی کامیاب انسان ہمارے درمیاں سے اُٹھ گیا ہے اور وہ اس مقام تک جا پہنچا ہے جو اس کا مقصود ہے اور جو اس کی منزل ہے۔۔۔اس منزل پر آنے کے بعد کوئی بھی کامیاب انسان پیچھے کی جانب موڑ کر نہیں دیکھتا ہے تو اس طرح کا کوئی انسان واپس کیسے ہو سکتا ہے اسی بات کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں ؎

آنکھیں رو رو کر سو جانے والے
آنے والے نہیں جانے والے

آج یہ چمن اداس ہے۔۔۔اس کے شاخ و گل اور پھول پتیوں پر غموں کے اثرات دکھائی پڑ رہے ہیں۔۔کلیوں کا تبسم۔۔۔پھولوں کی مسکان اور گلاب کے اوراق بھی نہ جانے کہاں کھو گئے ہیں۔۔۔نکہت باد بہاری کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی کہ وہ بھی نڈھال سی ہو گئی ہے۔۔۔خدا خیر کرے اس چمن کو کیا ہو گیا ہے کہ کہیں کوئی لطف و مزہ نہیں۔۔۔لذت و شادکامی کا دور دور تک اتہ نہیں۔۔۔اسی کشش و پنج میں تھا کہ اچانک "واٹس ایپ" پہ جانکاہ خبر آئی کہ "حضرت علامہ مفتی محمد شبیر حسن صاحب قبلہ" ہمارے درمیاں سے چلے گئے۔

اس اندوہ ناک خبر سے جہاں اوروں کو دھچکا لگا وہیں مجھے بھی قلق ہوا۔۔۔اس طرح پورے ہندوستان اور غیر ممالک میں غموں کی ایک سیاہ چادر بچھ گئی۔۔۔اس لئے کہ "موت العالم موت العالَم" کہ ایک عالم کی موت ایک عالم کی موت ہوا

کرتی ہے۔۔۔جب کوئی عالم رخصت ہوتا ہے تو اس سے متأثر صرف اس کا کنبہ نہیں ہوتا ہے اور نہ صرف اس کے محبت کرنے والے ہی غم زدہ ہوتے ہیں بلکہ سارا جہاں اس سیم متأثر ہوا کرتا ہے یہاں تک کہ سمندر کی گہرائی میں رہنے والے بھی غموں کے دلدل میں گرفتار ہوا کرتے ہیں۔

کیا کسی کو اس بات میں شک ہوسکتا ہے کہ ''حضرت علامہ ومفتی شبیر حسن صاحب قبلہ'' اس چمن کے مالی تھے اور اس کے سجانے میں انہوں نے اپنے خون جگر کو صرف کیا تھا اور دل و دماغ کو پورے طور پر خرچ کیا تھا۔۔۔وہ اس چمن کے تشکیل دینے میں پیش پیش رہا کرتے تھے اور اس کے رنگ وروغن کو دوبالا کرنے میں اپنے جسم وروح کو لگادیا تھا۔۔۔اس کے علاوہ، وہ اس چمن کے محافظ بھی تھے۔۔۔یہاں بات اس چمن کی ہورہی ہے جس میں اعلی حضرت فاضل بریلوی کے افکار ونظریات شامل ہیں اور جس کی تشکیل و ارتقاء میں ہمارے ''علمائے اہلسنت و جماعت'' کے جذبات و احساسات پائے جاتے ہیں۔۔۔اس بنیاد پر میں کہتا ہوں: علامہ شبیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ'' ایک کامیاب انسان تھے۔۔۔صرف وہی کامیاب نہیں ہوتا ہے جس کے پاس راج پاٹ ہوا کرتا ہے اور نہ وہ کامیاب ہوا کرتا ہے جو غریبوں کا خون چوس کر تخت وتاج کو سجاتا ہے۔۔۔ذرا سوچئے! کیا جس کے پاس دولت وثروت ہوتی ہے۔۔۔سیم وزر ہوا کرتے ہیں۔۔۔جاہ وحشم ہوا کرتے ہیں وہی کامیاب ہوتا ہے؟۔۔۔نہیں ہرگز نہیں!۔۔۔یہ سب کیا چیز ہے یہ تو آتی جاتی ہی رہتی ہے۔۔۔ آج میرے پاس ہے تو کل کسی اور کے پاس ہوگی۔۔۔اس پر کیا بھروسہ؟ اس پر سہارا ابھی کیا جائے تو کہاں تک سہارا کیا جائے ۔۔۔جب تک پاس ہے اس کا سہارا لیجئے اور ضرور لیجئے مگر جب یہ کسی اور کے پاس چلی جائے گی تو اس سے سہارا لینا کہاں تک درست ہوگا۔۔۔جن لوگوں نے مال و دولت اور جاہ وحشم ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے آج ان کا برا حال ہے۔

زندوں میں رہتے ہوئے بھی مردہ دکھائے پڑتے ہیں۔۔۔ نہ ان کے پاس احساسات ہیں اور نہ ہی ان کے پاس جذبات ہیں۔۔۔وہ تو ان خشک ٹہنیوں کی مانند دکھائی پڑتے ہیں جن میں زندگی کی رمق بھی باقی نہیں ہوتی ہے۔۔۔میرے نزدیک صحیح اور سچی بات یہ ہے کہ کامیاب وہی انسان ہوتا ہے جو علم والا ہوا کرتا ہے۔۔۔فکر وشعور کا حامل ہوا کرتا ہے۔

ایسا اس لئے ہے کہ علم ہی ایک ایسی چیز ہے جو ہمیشہ ساتھ رہا کرتی ہے۔۔۔جہاں جائیے علم آپ کے ساتھ جاتا ہے۔۔۔ دن کے اجالوں میں بھی ساتھ رہا کرتا ہے اور رات کے اندھیروں میں بھی۔۔۔جلوت ہو یا خلوت۔۔۔علم ساتھ ساتھ رہتا ہے۔۔۔وہاں جائے۔۔۔یہاں آئیے۔۔۔کہیں بھی جائیے۔۔۔علم کبھی بھی کسی سے جدا نہیں ہوتا ہے۔۔۔اس کی وجہ یہ ہے کہ علم ایک نور ہے۔۔۔ ایک روشنی ہے۔۔۔یہ ایک کیفیت ہے۔۔۔جو علم والے کے ساتھ رہتی ہے۔۔۔اس دنیا میں رہیں جب بھی یہ روشنی ساتھ میں ہوتی ہے اور اس دنیا سے جانے کے بعد بھی یہ روشنی ساتھ میں جاتی ہے ۔۔۔آغوش لحد میں بھی اس کا ساتھ نہیں چھوٹتا ہے۔۔۔اس بات میں کسی کو کیا شک ہوسکتا ہے؟ کہ ''علامہ مفتی شبیر حسن صاحب'' علم والے تھے۔

ان کا یہی علم روشنی بن کر انہیں اپنے ہالے میں رکھتا تھا کبھی یہ ''ہالہ'' ہلال'' کی مانند ہوا کرتا تھا اور کبھی ''بدر'' کی مانند اور پورے ماہ تک ''قمر'' کی صورت میں دکھائی دیتا تھا۔۔۔اور جو شخصیت روشنی کے اس طرح کے دائرے میں دکھائی دے۔۔۔ اس پر جس قدر بھی ناز کیا جائے کم ہے۔۔۔چاند چاہے جس حال میں ہو وہ حسن وخوبصورتی کی علامت ہوا کرتا ہے۔۔۔چاہے وہ آسمان والا چاند ہو۔۔۔یا علم کی روشنی والا چاند ہو۔۔۔دونوں خوب صورتی کی علامت ہوا کرتے ہیں۔۔۔اسی لئے علم والوں کو بننے سنورنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔۔۔وہ جس حال میں رہتا ہے اور جس لباس میں ملبوس دکھائی پڑتا ہے۔۔۔وہی اس کی خوبصورتی ہوا کرتی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے۔۔۔ ؎

پھٹے کپڑوں میں بھی کچھ لوگ عالی شان ہوتے ہیں

یوں تو میں ''حضرت مفتی شبیر صاحب قبلہ'' کو ان کے نام سے بہت پہلے سے جانتا تھا اور ان کی شخصیت سے بھی واقف تھا

اوران کے علم وفن۔۔فکر وشعور کی گہرائی سے آشنا بھی تھا۔۔۔حالانکہ میں نے نہ ان سے پڑھا ہے اور نہ میں نے پہلے کبھی دیکھا تھا ۔۔۔پھر بھی ان کی علمی شخصیت اور فکر وفن والی شان وشوکت مجھ تک ضرور پہنچی تھی جو اس بات کی علامت ہے کہ ایسی شخصیت کبھی بھی علاقائی حدود میں محدود نہیں رہتی ہے بلکہ سورج کی کرنوں کی مانند چھن چھن کر آتی ہے اور سب کو روشن کر جاتی ہے، ان کی شخصیت کی انہیں کرنوں سے میں بھی روشن ہوا تھا اور میری شخصیت بھی تاباں ہوئی تھی۔

میں نے انہیں پہلی بار ''حضرت انس میاں صاحب'' کی شادی میں دیکھا تھا۔۔میرے ساتھ ''حضرت علامہ محمد حنیف خاں صاحب قبلہ بانی رضا اکیڈمی صالح نگر بریلی شریف'' بھی تھے ۔۔۔میں نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا کہ تخت پر ایک شخص بیٹھا ہے۔۔آنکھوں میں چشمہ لگا ہوا ہے اور سر پر رامپوری کیپ ہے اور گلے میں ایک سادہ سی گچھی بھی ہے شیروانی زیب تن کئے ہوئے ہیں۔۔۔''مولانا حنیف خاں صاحب نے انہیں سلام کیا۔۔۔دست بوسی کی اور اس شخص کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔۔۔میں حیرت میں پڑ گیا کہ یہ شخص کون ہے جسے میں نہیں جانتا۔۔مظہر اسلام کے جس قدر مدرسین تھے سبھی لوگ اس عظیم شخص کو سلام کر رہے تھے اور دست بوسی بھی۔۔۔اور میں ایک اجنبی کی طرح کھڑے ہو کر یہ سب دیکھ رہا تھا اور یکے بعد دیگرے میری حیرت واستعجاب میں اضافہ ہو رہا تھا۔۔۔بالآخر مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نے ''مولانا حنیف خاں صاحب'' سے پوچھا ۔۔۔حضرت کا اسم گرامی کیا ہے؟۔۔۔انہوں نے میری جانب حیرت سے دیکھا اور کہا: آپ حصرت کو نہیں جانتے ہیں؟ میں نے جواب میں کہا: جی نہیں! میں نہیں جانتا۔

انہوں نے فرمایا: آپ ''علامہ شبیر حسن صاحب'' ہیں پھر مولانا موصوف نے میرا نام بتایا تو آپ نے فرمایا: اچھا آپ ہی ''مفتی شمشاد حسین صاحب'' ہیں۔۔۔میں تو آپ کے نام کو بہت سالوں سے جانتا ہوں اور آپ کے مختلف مضامین کو پڑھ چکا ہوں ماشاءاللہ آپ خوب لکھتے ہیں اور بہت خوب لکھتے ہیں۔۔۔۲۷ر فرقوں کے تعلق سے جو آپ کا مقالہ ہے میں نے اسے بالاستعاب پڑھا ہے، آپ کی تحریر سے مجھے بہت خوشی ہوتی ہے کہ آپ ایسا لکھتے ہیں کہ مخالف گروپ کو خاموش کر دیتے ہیں۔

حضرت والا کا نام سنتے ہی میں نے دست بوسی کی اور ان سے دعا کی درخواست کی، اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ''حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ'' ہماری جماعت کے اکابر علما میں شمار کئے جاتے ہیں اور انہیں معتمد اور مستند مانا جاتا ہے ''حضرت مفتی صاحب قبلہ'' کی ملاقات سے مجھے دوہری خوشی حاصل ہوئی ۔۔۔پہلی خوشی اس بات سے حاصل ہوئی کہ میں نے ان کے بارے میں جیسا سنا تھا۔۔۔انہیں ویسا ہی پایا بلکہ سچی بات یہ ہے کہ میں نے انہیں اس سے سوا پایا اور دوسری خوشی یہ حاصل ہوئی کہ آپ منطق وفلسفہ میں کافی مہارت رکھتے تھے۔۔۔علم منطق کی کتابوں کو پڑھا دینا اور فلسفہ وکلام کا درس دے دینا ایک اہم خوبی ہے ۔۔۔اس بات سے کسی کو انکار نہیں لیکن اپنی بول چال اور مجلسی گفتگو میں ان دونوں فنوں کی نزاکتوں کا پاس ولحاظ رکھنا۔

یہ ایک الگ قسم کی خوبی ہے جو حضرت والا کو حاصل تھی ۔۔۔بات بات میں منطقی لب ولہجہ اختیار کرنا اس بات کو ثابت کر رہا تھا کہ اس فن میں آپ کو ید طولی حاصل تھا۔۔نہیں! بلکہ یہ بھی ثابت کر رہا تھا آپ فلسفہ ومنطق کے امام ہیں۔۔۔جہاں تک علوم شرعیہ کی بات ہے تو اس بارے میں حضرت کے تعلق سے کچھ بات کرنا ایسا ہی ہے جیسے دن کے اجالے میں چراغ روشن کرنا۔۔۔یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ''حضرت علامہ شبیر حسن صاحب علیہ الرحمہ'' نے جہاں اپنی شخصیت کو سنوارا ہے ۔۔۔وہیں انہوں نے نہ جانے کتنوں کو سنوار دیا ہے اور اپنے فیضان سے ہزاروں کی علمی پیاس بجھا دی ہے ۔۔۔اور انہیں ''علوم نقلیہ'' کے ساتھ ساتھ ''علوم عقلیہ'' سے بھی نوازا ہے۔۔۔ان کے بہت سے شاگردوں میں دونوں قسم کے علوم کی جھلک پائی جاتی ہے۔۔۔وسیع معلومات کے ساتھ ان معلومات میں نظم وضبط اور ترتیب کی کیفیت کی نمود بھی ''علامہ شبیر حسن صاحب'' کے شاگردوں میں پائی جاتی ہے۔

ان خوبیوں کا پایا جانا اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ انہوں نے اپنے استاذ گرامی سے بہت کچھ سیکھا ہے اور علوم وفنون کے تقاضوں کو بحسن وخوبی انجام دیا ہے۔۔۔ان کے شاگردوں کی تعداد اور تعارف کو پیش کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔۔۔میں ان کے شاگردوں سے اپیل کرتا ہوں کہ اس سلسلہ میں کوشش کریں۔۔۔اب نہیں تو کسی اور موقع پر سہی۔۔۔اس کے لئے کمر کس لیں۔۔۔کہ بڑوں کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کا طریقہ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔۔۔

جذبات واحساسات۔۔۔افکار ونظریات۔۔۔سوز دروں اور فکری تابشوں کو بیان کرنے کے صرف دہ ذرائع ہیں۔۔۔تقریر اور تحریر۔۔۔حضرت علامہ ان دونوں ذرائع کے استعمال کرنے میں کافی مہارت رکھتے تھے۔۔۔ان کی ''تقریری مہارت'' کا ثبوت ان کی درس گاہوں سے مل جاتا ہے۔۔۔ہندوستان اور ہندوستان کے باہر ان کے شاگرد جس قدر پائے جاتے ہیں۔۔۔یہ سب کے سب حضرت علامہ کی ''تقریری مہارت'' کے عینی شاہد ہیں۔۔۔ جس طرح سورج کی کرنیں وجود آفتاب کو ثابت کرتی ہیں ٹھیک اسی طرح کثیر تعداد میں شاگردوں کا پایا جانا حضرت علامہ کی تقریری مہارت کو بتا رہا ہے۔۔۔کسی سے کچھ پوچھنے کی حاجت نہیں اگر یہی شاگرد ان کے بارے میں مختصر سی تحریر پیش کر دیں تو یہی تحریریں ایک ضخیم نمبر کی صورت اختیار کر سکتی ہیں کہ جب بوند بوند سے سمندر بنتا ہے تو پھر قدرے قدرے تحریروں سے نمبر کیوں تیار نہیں ہو سکتا ہے؟

ارباب فکر سے پوشیدہ نہیں کہ مفتی شبیر صاحب قبلہ تحریر کے بھی بادشاہ تھے اور ان کے قلم کی جولانی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ لکھنے بیٹھتے تو نوک قلم سے لفظوں کے انبار لگ جاتے تھے انہیں لفظوں کے انتخاب میں نہ کوئی انتظار رہتا تھا اور نہ کبھی انتظار کی شدت کا انہیں احساس ہوا۔۔۔موقع ومحل کے تقاضوں۔۔۔فکر وشعور کی نزاکتوں کا آئینہ دار بن کر ہی الفاظ اور جملے ان کی نوک قلم سے نکلتے تھے۔۔۔اور اسی طرح ایک کے بعد ایک سطر تیار ہو جایا کرتی تھی۔۔۔پورے مقالے میں ان کے یہاں یہی کیفیت ملتی ہے۔

ان کے مزاج کے خلاف نہ کوئی جملہ ہوتا تھا اور نہ ہی کوئی لفظ۔۔۔ان کے لفظوں میں کہیں حلاوت۔۔۔کہیں تلخی پائی جاتی تھی۔۔۔اور کہیں ایسے الفاظ ہوا کرتے تھے جن سے عشق ومحبت کے آبشار پھوٹ پڑتے تھے۔۔۔اور کبھی ایسا بھی دیکھا گیا کہ ان کے قلم سے جو جملے اور الفاظ ڈھلتے تھے۔۔۔ان میں زبردست نشتر زنی ہوا کرتی تھی کہ ان کا جو بھی مخالف ہوا کرتا تھا وہ تلملا اٹھتے تھے اور ان کے تن من دھن میں آگ لگ جاتی تھی۔۔۔ظاہر سی بات ہے ان کا یہ انداز دین کے معاملے میں ان کی شدت اور تصلب کا نتیجہ تھا۔۔۔دین کے معاملے میں تصلب تو ایک پسندیدہ امر ہے۔۔۔کہ حق کے تحفظ کا یہی ایک ذریعہ ہوا کرتا ہے۔۔۔جب تصلّب ختم ہو جاتا ہے تو اپنوں اور بیگانوں کا امتیاز بھی جاتا رہتا ہے۔۔۔اس وقت یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اپنا کون ہے اور غیر کون ہے۔

قرآن مقدس کے الفاظ رحماء بینھم اوراشداء علی الکفار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحیح معنی میں وہی مومن ہوا کرتا ہے جو آپس میں ایک دوسرے کے لئے ریشم و پرنیاں سے بھی زیادہ نرم ہوا کرتا ہے اور جب معاملہ کسی بیگانوں سے پڑتا ہے تو ان کے لئے ''شمشیر براں'' بن جایا کرتا ہے۔

حضرت علامہ مفتی شبیر صاحب قبلہ قرآن مقدس کے ان دونوں لفظوں کے عملی تفسیر تھے۔۔۔ہندوستان میں ''افتراق امت'' کا سہارا لے کر کچھ لوگوں نے یہاں کے سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کے دلوں سے ''دینی تصلب'' کو چھین لینے کی ایک تحریک شروع کی۔۔۔جو متعدی امراض کی مانند پورے ہندوستان میں پھیلتی چلی گئی اور اس مرض میں بہت سے اصحاب فکر ودانش مبتلا ہو گئے افسوس اس بات پر ہے کہ وہ لوگ بھی اس مرض میں مبتلا ہوتے چلے گئے جو دیرینہ راویات کے حامل تھے۔

حضرت نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا اور ایک مقالہ تحریر فرما دیا اس میں آپ نے ایسی نشتر زنی فرمائی کہ مخالف گروپ کے لوگ اس شعر کے مصداق بن گئے کہ ؎ بقیہ ص ۳۵ / پر

مفتی شبیر حسن رضوی

(از: مولانا محمد سلمان رضا خان قادری ازہری*

رونق تھا گلستاں کا جو، وہ دلربا جاتا رہا

مفتی شبیر حسن رضوی

عالم اسلام کی عبقری شخصیت ،نورچشم بڑے حضرت، فیض یافتہ شمس العلما،فیض حضور حافظ ملت، ارشد تلامذہ علامہ عبدالرؤف بلیاوی، اسیر حضور مفتی اعظم ہند، معتمد حضور تاج الشریعہ، عاشق اعلیٰ حضرت، فدائے حضور غوث اعظم، ماہر رضویات ، ترجمانِ مسلک احمد رضا، جامع شریعت وطریقت، مخزن اسرار و حکمت، منبع روایت ودرایت، امام المناطقہ، رئیس الفلاسفہ، شیخ شیوخ الحدیث، صدر صدور المدرسین، عمدۃ فقہائے عصر، قدوۃ علمائے دہر، امام العلما، جامع معقولات ومنقولات، حضرت علامہ الحاج مفتی شبیر حسن رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان [ولادت: یکم جولائی ۱۹۴۸ء] سابق شیخ الحدیث وصدر شعبہ افتا الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد (ایودھیا) یوپی، انڈیا نے مورخہ ۱۴/ربیع الغوث ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۱/دسمبر ۲۰۱۹ء جمعرات کی شب ۷/بج کر ۱۵/منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہا اور اہل سنت وجماعت کو بالعموم اور فرزندان جامعہ کو بالخصوص روتا بلکتا چھوڑ کر دار بقا کی جانب کوچ کر گئے۔

اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیہِ رَاجِعُون،اِنَّ لِلّٰہِ مَاأَخَذَ وَلَہُ مَا أَعطٰی وَ کُلٌّ عِندَہُ بِأَجَلٍ مُسَمًّی۔

ابتدائی تعلیم

آپ کے گاؤں سے متصل بسڈیلہ ہے ، جہاں پر سن ۱۹۴۳ء میں نونہالان اسلام کی تعلیم وتربیت کے لیے ”دارالعلوم تدریس الاسلام“ کا قیام عمل میں آیا۔آپ کی ولادت یکم جولائی ۱۹۴۸ء میں ”دیوریالعل“ میں ہوئی ،یعنی آپ کی پیدائش سے تقریباً چھ سال پہلے مذکورہ ادارہ قائم ہو چکا تھا اور سن ۱۹۵۰ء میں ”عطائے حضور حافظ ملت“ جامع معقولات ومنقولات، حضرت علامہ اعجاز احمد خان نوری مصباحی ”بڑے حضرت“ علیہ الرحمۃ و الرضوان [ولادت ۱۲/نومبر ۱۹۲۶ء، وصال ۳۰/دسمبر ۲۰۱۹ء] نے اس ادارہ کی باگ ڈور سنبھال لی تھی۔ اِس طرح آپ نے استاذ الاساتذہ، المعروف بہ ”بڑے حضرت“ علیہ الرحمہ کے زیر شفقت وعنایت اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور آپ کے ساتھ ساتھ محدث جلیل حضرت علامہ عبدالشکور صاحب قبلہ دام ظلہ العالی اور صدر الصدور حضرت علامہ محمد نعمان خان اثر قادری علیہ الرحمہ ودیگر اساتذۂ کرام سے متوسطات تک عربی وفارسی کی تعلیم نہایت شوق وذوق سے حاصل کی۔ ان حضرات کی پُراثر تعلیم وتربیت نے آپ کے ذہن وفکر کو وہ عروج عطا کیا کہ آپ نے مشہور زمانہ علمائے کرام کی بارگاہوں میں جانے کا عزم مصمم کرلیا۔

اعلیٰ تعلیم

چناں چہ اوّلاً آپ ”دارالعلوم منظر حق ٹانڈہ“ تشریف لے گئے اور شمس العلما، ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ حضرت علامہ قاضی شمس الدین جعفری رحمۃ اللہ علیہ [صاحبِ ”قانون شریعت“] سے معقولات کی چند کتابیں پڑھیں۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے ازہر ہند ”الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ“ تشریف لے گئے اور وہاں خصوصیت کے ساتھ جلالۃ العلم، استاذ العلما، ابوالفیض، حضور حافظ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی ثم مبارک پوری علیہ الرحمہ سے حدیث اور امام المعقولات والمنقولات حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ سے علوم عقلیہ کا درس لیا اور ۱۹/سال کی عمر میں جملہ علوم مروجہ وفنون متداولہ (حدیث، اصول حدیث، تفسیر، اصول تفسیر، فقہ، اصول فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، ہیئت، مناظرہ، نحو، صرف، بلاغت، عربی زبان وادب، فارسی زبان وادب، طب وغیرہ) کی تکمیل کرکے سن ۱۹۶۹ء میں وہیں سے سند فضیلت ودستار سے سرفراز ہوئے۔

* مضمون نگار الجامعۃ الاسلامیہ روناہی، فیض آباد کے استاذ ہیں۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد بلبل ہند، حضرت علامہ مفتی رجب علی قادری علیہ الرحمہ نے ''مدرسہ عزیز العلوم نانپارہ ضلع بہرائچ شریف'' کے لیے بحیثیت صدرالمدرسین و مفتی آپ کا انتخاب کیا۔آپ نے وہاں تقریباً سات سال کا عرصہ صرف کیا، مگر اِسی مختصر مدت میں اپنی خداداد تدریسی و تربیتی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس ادارہ کو شہرت و ناموری کے اوج کمال تک پہنچا دیا اور آپ نے طلبہ کے ساتھ ساتھ علما میں بھی بڑی مقبولیت حاصل کر لی، حتیٰ کہ دور دراز علاقوں سے تشنگان علوم نبوت مذکورہ ادارہ کا قصد کرنے لگے اور تقریباً دس سال تک نمایاں خدمات انجام دے کر وہاں سے سبکدوش ہو گئے۔ محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی نظام الدین رضوی مصباحی صاحب قبلہ صدرالمدرسین و صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ نے اِسی ادارہ میں حضرت مخدوم گرامی علیہ الرحمہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

سن ۱۹۵۷ء میں مفکر اسلام، حضرت علامہ محمد قمر الزماں خان نوری اعظمی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ (بانی و سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاسلامیہ روناہی) نے حضرت علامہ محمد نعمان خان آثر قادری اعظمی المعروف بہ ''بڑے مولانا'' علیہ الرحمہ (سابق صدرالمدرسین الجامعۃ الاسلامیہ روناہی) کا انتخاب بحیثیت صدر المدرسین کیا۔

حضرت ''بڑے مولانا'' علیہ الرحمہ نے ادارہ کی تعلیمی و تعمیری ترقی کے لیے جدوجہد کا آغاز کیا اور لائق و فائق اساتذہ کی ایک ٹیم جامعہ کو عطا کی اور سن ۱۹۷۶ء میں آپ نے حضرت امام العلما مفتی شبیر حسن رضوی علیہ الرحمہ کا تقرر کرایا، اِس طرح حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ سن ۱۹۷۶ء سے لے کر ۲۰۱۹ء تک جامعہ میں علمی فیضان لٹاتے رہے اور تقریباً تینتالیس سال تک غایت درجہ انہماک و لگن کے ساتھ تدریس اور فتوی نویسی کی اہم ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی ادا کیا اور ''شیخ الحدیث'' کے منصب جلیل پر فائز رہے۔

اس طرح آپ کی بافیض درس گاہ سے ہزاروں علما، فضلا اور فقہا شاد کام ہوئے اور آپ کے قلم سے ہزاروں فتاویٰ صادر ہو کر امت مسلمہ کی ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ بن چکے ہیں۔

تدریسی خصوصیات

ایک ماہر استاذ کے جن اوصاف و خصوصیات کا ہونا ضروری ہے، اُن تمام اوصاف سے ہمارے مخدوم گرامی علیہ الرحمہ بدرجہ اتم متصف تھے۔ بلکہ آپ حقیقی معنی میں ''صدرالمدرسین'' تھے۔ چناں چہ ۲۹/ اگست ۲۰۱۴ء کو ممتاز الفقہا، محدث کبیر حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ قادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ نے آپ کو ''صدرالشریعہ ایوارڈ'' سے نوازا اور اپنا گراں قدر تأثر پیش کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اس زمانہ میں الحمدللہ کسی بھی منصب پر حضرت مفتی صاحب فائز ہوں، اس سے مجھے بحث نہیں، یہ اس زمانہ کے صدرالمدرسین ہیں۔''

آپ کے درس کی خاصیت یہ تھی کہ آپ کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کرنے والا طالب علم اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مجدد دین و ملت امام احمد رضا خاں حنفی قادری برکاتی فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا گرویدہ بن جاتا تھا، کیوں کہ آپ اپنی درسی تقریر میں بھی اعلیٰ حضرت کی تحقیقات و تدقیقات مناسب مقام پر بہت اچھوتے انداز میں پیش فرمایا کرتے تھے، اور آپ کے مبارک رسائل کا نام عربی زبان میں بتانے کے بعد تبسم ریز ہوتے اور فرماتے کہ:

> ''اگر کوئی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتابوں کا نام صحیح پڑھنا جان جائے تو نصف عالم ہو جائے گا۔''

نیز کبھی کبھار ارشاد فرماتے:

> ''عالم بننا ہے تو اعلیٰ حضرت کی کتابوں کا مطالعہ کرو۔''

حضور غوث پاک اور سرکار اعلیٰ حضرت سے والہانہ عشق

یوں تو حضور مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ سبھی بزرگان دین سے سچی عقیدت و محبت رکھتے تھے مگر شہنشاہ بغداد شیخ عبد القادر

مفتی شبیر حسن رضوی

جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مجدد اسلام سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان سے والہانہ عشق فرماتے تھے۔ جب کبھی بھی ان بزرگوں کا ذکر خیر آجاتا تو ادب واحترام کے ساتھ آپ کا سر جھک جاتا، آنکھیں بند ہوجاتیں اور پھر بڑی وارفتگی کے ساتھ ان بزرگوں کا تذکرہ جمیل فرماتے۔ ساتھ ہی اپنے طلبہ و متعلقین کو بھی ان بزرگوں سے عقیدت رکھنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔

پہلی بار آپ نے سن ۱۹۹۴ء میں بغداد شریف کا سفر کیا اور دوبارہ سن ۲۰۱۹ء میں بارگاہ غوثیت میں حاضر ہوکر اپنے آپ کو فیضان غوث اعظم سے مالا مال کیا۔ اسی طرح ہر سال عرس رضوی کے موقع پر بریلی شریف تشریف لے جاتے رہے۔

حج وزیارت

آپ نے اپنی حیات مستعار میں دوبار زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی۔ ایک سن ۱۹۹۴ء اور دوسری بار سن ۱۹۹۹ء میں اس عظیم نعمت سے بہرہ مند ہوئے۔

بیعت وارادت، اجازت وخلافت

حضور مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا خان علیہ الرحمۃ و الرضوان کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور آپ کو تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری، حضرت مفتی رجب علی رضوی، شہید راہ مدینہ، گلزار اشرفیت حضرت مولانا سید مثنی میاں کچھوچھوی علیہم الرحمہ اور گلزار ملت سید شاہ گلزار اسمٰعیل واسطی مدظلہ العالی سے خلافت واجازت حاصل ہوئی۔

تصنیف وتالیف

فتویٰ نویسی اور تدریسی مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کے شعبہ میں بھی آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، آپ کی تصانیف میں (۱) حاشیۂ شرح ہدایۃ الحکمۃ (۲) الجوھر المنظم فی شرح المسلم (۳) امام احمد رضا اور علوم عقلیہ (۴) جوامع الکلم (۵) توضیحات کبریٰ (۶) حاشیۂ کبریٰ وغیرہ ارباب علم وفضل سے داد تحسین وصول کر رہی ہیں۔

ایوارڈس وسپاس نامے

حضور مفتی صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ کی علمی، ادبی، تدریسی، تصنیفی، دعوتی صلاحیتوں اور خدمات کا معترف ایک جہاں ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کو عظیم شخصیات اور تنظیموں کی جانب سے متعدد ایوارڈس اور سپاس نامے پیش کیے گئے۔

(۱) صدر الشریعہ ایوارڈ: ۲؍ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۹؍ اگست ۲۰۱۴ء کو محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کے بدست اقدس آپ کو پیش کیا گیا۔

(۲) مجاہد ملت ایوارڈ: یکم جمادی الآخرہ ۱۴۳۷ھ مطابق یکم مارچ ۲۰۱۶ء کو جامعۃ الحبیب چیریٹیبل ٹرسٹ رسول پور، اڈیسہ کی جانب سے حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری علیہ الرحمہ کے مقدس ہاتھوں سے آپ کو تفویض کیا گیا۔

(۳) خالد ملت ایوارڈ: (بیاد حضرت علامہ مولانا خالد رضا خاں قادری علیہ الرحمہ نواسۂ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان) صد سالہ عرس رضوی کے موقع پر حضرت مولانا محمد انس رضا قادری صاحب بریلی شریف کی جانب سے آپ کو پیش کیا گیا۔

(۴) مجاہد ملت ایوارڈ: الجامعۃ الاسلامیہ روناہی کے جشن پچاس سالہ کے موقع پر مورخہ ۱۹؍رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷؍ مارچ ۲۰۱۹ء بروز بدھ ”مجلس ابنائے جامعہ روناہی“ کی جانب سے آپ کی ۴۳؍سالہ عظیم مجاہدانہ خدمات کے اعتراف میں آپ کو ”مجاہد ملت ایوارڈ“ پیش کیا گیا۔

حضور مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی دینی خدمات تقریباً ۵۱؍ سالوں پر محیط ہے آپ کی حیات وخدمات کی وسعتوں پر یہ چند سطور کما حقہ روشنی بھی نہیں ڈال سکتے چہ جائے کہ اُن کا احاطہ کرسکیں۔ آپ کی بافیض درس گاہ سے مستفیض ہونے والوں کی صرف فہرست تیار کی جائے تو کئی صفحات پُر ہوجائیں گے۔ یہ چند سطریں آپ کی بارگاہ میں نذر عقیدت کے طور پر معرض وجود میں آگئیں۔

گر قبول افتد زہے عز وشرف۔

آپ کی نماز جنازہ مورخہ ۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۳؍دسمبر ۲۰۱۹ء بروز جمعہ مبارکہ بعد نماز جمعہ بقیہ ص ۱۰؍پر

از: مولانا انیس عالم سیوانی *

علم وفن کے مہر درخشاں! مفتی شبیر حسن رضوی

نام: شبیر حسن

شجرۂ نسب: شبیر حسن بن امت علی بن عبد الرحمن مرحومین

پیدائش : یکم جولائی ۱۹۴۸ء

جائے پیدائش: دیوریالال، پوسٹ چاپئی کلاں، ضلع سنت کبیر نگر یوپی

ابتدائی تعلیم: مدرسہ تدریس الاسلام بسڈیلہ ضلع سنت کبیر نگر

متوسطہ : دارالعلوم منظر حق ٹانڈہ (قدیم ضلع فیض آباد)

فراغت : ۱۹۶۹ء ۱۹؍سال کی عمر میں مدرسہ اشرفیہ اہل سنت مصباح العلوم مبارکپور

اساتذہ : حضرت علامہ اعجاز احمد ادروی، علامہ نعمان خان اثر قادری اعظمی، حضرت علامہ قاضی شمس الدین احمد جعفری جونپوری (دارالعلوم منظر حق ٹانڈہ میں) حضور حافظ ملت علامہ عبد العزیز مبارکپوری، مرتب فتاویٰ رضویہ علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی، بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان صاحب اعظمی، قاضی شرع علامہ قاضی محمد شفیع صاحب مبارکپوری علیہم الرحمہ۔

قابل ذکر تلامذہ: علامہ بخش اللہ صاحب، علامہ مفتی اختر حسین قادری، پیر طریقت حضرت سید معین میاں ممبئی، حضرت مولانا سید نورانی اشرفی کچھوچھہ شریف، حضرت علامہ قمر الحسن بستوی، حضرت علامہ مسیح الدین حشمتی، حضرت علامہ کمال اختر قادری، حضرت علامہ فروغ القادری (انگلینڈ) حضرت علامہ مفتی معراج القادری، حضرت علامہ شمس الہدیٰ مصباحی، حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین مصباحی (اساتذۂ اشرفیہ مبارکپور)

بیعت: ۱۹۶۰ء سرکار مفتی اعظم حضرت علامہ محمد مصطفی رضا خاں نور اللہ مرقدہ کے دست حق پرست پر

خلافت : نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری وبلبل ہند حضرت علامہ مفتی رجب علی نانپاروی علیہما الرحمہ سے۔

حج وزیارت : پہلا حج مفتی صاحب نے ۱۹۹۴ء میں کیا اور دوسرا حج ۱۹۹۹ء میں۔ ۱۹۹۴ء اور ۲۰۱۹ء میں بغداد شریف کی زیارات سے مشرف ہوئے۔

تدریس : کم وبیش ۱۰؍سال مدرسہ عزیز العلوم نانپارہ اور ۱۹۷۷ء سے الجامعۃ الاسلامیہ قصبہ روناہی میں تاحیات مفتی وشیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے ہے۔

مشغلہ : درس وتدریس، فتویٰ نویسی، شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف سے وابستگی، تصنیف وتالیف، بیعت وارشاد وغیرہ

تصانیف : (۱) الجوہر المنظم فی شرح المسلم (۲) جوامع الحکم (۳) حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ (الٰہیات) عربی (۴) حاشیہ کبریٰ (۵) توضیحات کبریٰ (۶) امام احمد رضا اور علوم عقلیہ (۷) مختصر حالات فاطمہ زہرا۔

رشتۂ ازدواج: مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا نکاح واسن ضلع سنت کبیر نگر کے مرحوم داہو صاحب کی دختر نیک اختر سے ۱۹۶۵ء یا ۱۹۶۶ء میں ہوا تھا، اہلیہ کا انتقال ۱۹۹۴ء میں ہوگیا تھا، مفتی صاحب تین بھائی اور دو بہن میں سب سے چھوٹے تھے، بڑے بھائی انسان علی اور دو بہنیں انتقال کر چکے ہیں، آپ سے بڑے باقر حسین صاحب بقید حیات ہیں۔

اولاد امجاد : (۱) محمد جنید رضا (۲) محمد ارشد رضا (استاذ مدرسہ عربیہ بحر العلوم سدھور ضلع بارہ بنکی) (۳) محمد راشد رضا (۴) محمد شاہد رضا اور ایک لڑکی۔

وصال پُرملال : ۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ بوقت عشاء تقریباً سات بج کر ۱۵؍منٹ، مطابق ۱۱؍دسمبر ۲۰۱۹ء بروز چہارشنبہ، رام منوہر لوہیا انسٹی ٹیوٹ لکھنؤ میں۔

جنازہ کی امامت : شہزادۂ حضور صدر الشریعہ، محدث کبیر

* مضمون نگار امام احمد رضا فاؤنڈیشن لکھنؤ کے جنرل سکریٹری ہیں۔

علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری نے نماز جنازہ پڑھائی۔

بمقام متصل الجامعۃ الاسلامیہ قصبہ روناہی ٹیلہ میدان بتاریخ ۱۳ر دسمبر ۲۰۱۹ء بعد نماز جمعہ۔

آخری آرامگاہ : نزد الجامعۃ الاسلامیہ قصبہ روناہی ٹیلہ میدان، آستانہ بابا شرف الدین علیہ الرحمہ کے اندرونِ صحن۔

ابر رحمت تیرے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تم پر

مسلک رضا کا ترجمان، علمبردار اہل سنت، جامع معقول و منقول، دنیائے علم وحکمت کا ماہ تمام، فکروفن کا مہر درخشاں، درس وتدریس کی دنیا کا بے تاج بادشاہ، آبروئے درسگاہ، استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب رضوی علیہ الرحمہ کی شخصیت اہل سنت میں سکۂ رائج الوقت کی مانند تھی، حدیث وفقہ میں جس کی ہمہ دانی کا شور تھا، منطق وفلسفہ اور معانی وبیان پر جس کو کامل دستگاہ حاصل تھی، جس کی تدریسی صلاحیتوں پر معاصرین نے اعتماد کیا، اکابرین نے جس کی قابلیت کی تصدیق کی، تلامذہ نے جس کی نسبت شاگردی پر فخر کیا۔

آپ کی ذات غیر متنازع، بے لاگ اور بے داغ تھی، عام طور پر اہل علم آپ کا نام ادب واحترام کے ساتھ لیتے، کبھی کسی کو آپ پر تنقید کرتے نہ سنا، ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ زیادہ ادھر اُدھر میں نہیں رہتے تھے اور نہ ہی معاصرانہ چشمک سے آپ کا کوئی تعلق بلکہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے، اپنے اساتذہ کا بڑا احترام کرتے تھے، بالخصوص بحر العلوم، شیخ الحدیث استاذ المفتیین حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کا تذکرہ بہت خشوع خضوع اور اعتقاد سے کرتے تھے۔

بہت متصلب، راسخ الاعتقاد، مذہب پسند اور مرکز اہل سنت بریلی شریف کے سچے وفادار تھے، یہی وجہ تھی کہ جب بریلی شریف کو بعض فتنہ پرور اور کوتاہ عقل ایڈیٹروں اور ان کی پشت پناہی کرنے والے تقیہ باز لوگوں نے تنقید کا نشانہ بنایا، کچھ نام کے رضویوں نے فتاویٰ رضویہ اور سرکار مفتی اعظم نور اللہ مرقدہٗ کے فتوؤں اور فیصلوں کے خلاف بولنا اور لکھنا شروع کیا تو بہت سے رضوی کہلانے والے یا تو سہم گئے یا حیلہ بہانہ اور حکمت ومصلحت کے شکار ہو گئے، در پردہ ایک تحریک چلی کہ بریلی کو تنہا چھوڑ دیا جائے۔ ایسے حالات میں مفتی صاحب علیہ الرحمہ علی الاعلان، ڈنکے کی چوٹ پر بریلی کے صف اوّل کے حامیوں میں تھے، خود ان کے کئی شاگرد اپنے پیران کرام کے ساتھ ساتھ مفتی صاحب کے خلاف موقف رکھتے تھے، لیکن مفتی صاحب اپنے بزرگوں کے موقف کے موید، حامی اور وکیل کے طور پر ہمیشہ پیش پیش رہے، انہوں نے یہ پرواہ نہیں کیا کہ کون موافقت کرے گا اور کون مخالف ہوگا؟

صلح کلیت کی پھیلتی ہوئی متعفن وبا اور اسلاف مخالف طوفان بدتمیزی کے خلاف جب اس حقیر نے ”آئینہ صلح کلیت“ تصنیف کی، جس کتاب نے بریلی کے مخالفین کی ہوا نکال دی، بڑے بڑے طرّم خاں سمجھے جانے والے کم ظرف، بے سلیقہ لوگ اپنی تذبذب پسندی اور مسلکی بے راہ روی کا جنازہ اپنے کاندھوں پر اٹھا کر بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ حقائق اور دلائل کی مار سے تڑپتے مصالحت پسند مولوی سامنا کرنے کو تیار نہ تھے لیکن مارے تلملاہٹ کے بدتمیزیوں اور گالیوں سے وہ حق کو غبار آلود کردینا چاہتے تھے، انہیں دنوں میں مفتی صاحب علیہ الرحمہ سے فون پر بات ہوئی تو فرمانے لگے آپ نے جو باتیں لکھی ہیں وہ سب صحیح ہیں، مخالفین میں بڑا شور ہنگامہ ہے، آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

الغرض یہ کہ بے راہ روی کے طوفانوں کی زد پر مفتی صاحب حسن اخلاق اور حق پسندی کے چراغ روشن کرنے والوں میں تھے۔ حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری علیہ الرحمہ کے بہت قریبی اور مخصوص لوگوں میں تھے، مفتی صاحب علیہ الرحمہ ہی کی خواہش اور کاوشوں سے حضور تاج الشریعہ نے الجامعۃ الاسلامیہ کے پروگرام میں آخری بار شرکت فرمائی تھی۔ مفتی صاحب بریلی شریف کی تمام تقریبات میں مدعو کیے جاتے تھے اور شرکت بھی فرماتے تھے۔

خاص طور پر شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کے سمیناروں میں ضرور آپ کی شرکت ہوتی تھی اور ایک نشست کی صدارت بھی آپ کے ذمے ہوتی تھی، حضور تاج الشریعہ اور خانوادۂ تاج الشریعہ کے چشم و چراغ قائد ملت، موجودہ قاضی القضاۃ علامہ مفتی محمد عسجد رضا خاں صاحب قادری کے مفتی صاحب معتمد تھے۔

اسی طرح حضور محدث کبیر علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری بھی آپ پر بے حد اعتماد فرماتے رہے، ایک مرتبہ جامعۃ الرضا کے اسٹیج سے کسی بات کا جواب دیتے ہوئے محدث کبیر نے جامع معقول و منقول مفتی شبیر حسن صاحب کا نام ذکر کیا اور کہا کہ ان کے جیسا عالم اور مدرس آپ کہاں سے لائیں گے، اگر کبھی مفتی صاحب تشریف لاتے تو محدث کبیر کو دیکھا کہ آپ ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہونے کی کوشش کرتے حالانکہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ دست بوسی کر کے بٹھا دیتے، بات کرتے تو محدث کبیر کو علامہ صاحب اور حضور کہہ کر خطاب کرتے، ایک مرتبہ عرس صدر الشریعہ میں میں نے دیکھا کہ مفتی صاحب صدر الشریعہ کے مزار شریف کے سامنے کھڑے ہیں، میں نے سلام کیا، دست بوسی کی، خیریت دریافت کرنے کے بعد عرض کیا کہ حضور آپ اسٹیج پر تشریف نہیں لے گئے تو فرمانے لگے مولانا میں بھیڑ بھاڑ سے دور رہتا ہوں۔

بہر حال بعد میں جب حضور محدث کبیر سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ آئے تھے لیکن اسٹیج پر نہیں آئے اور کسی نے پوچھا بھی نہیں، اتنا سننا تھا کہ محدث کبیر فرمانے لگے، اچھا مفتی صاحب آئے تھے؟ مجھے خبر بھی نہ ہوئی نہ کسی نے بتایا وہ آئے اور اسی طرح چلے گئے، محدث کبیر کے انداز گفتگو سے میں نے محسوس کیا کہ حضرت کو اس پر افسوس ہوا اور آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے پتہ چلتا تو میں ضرور انہیں بلواتا۔

یہ آپسی رواداری اور ایک دوسرے سے قلبی تعلق ہی کا معاملہ تھا کہ محدث کبیر پالی راجستھان میں تھے جس وقت مفتی صاحب کا انتقال ہوا، آپ نے بہت کوشش کی کہ دوسرے دن پالی سے واپسی ہو جائے لیکن کوئی صورت نہیں بن پائی تو تیسرے دن یعنی جمعہ کے دن پروگرام چھوڑ کر صبح کی فلائٹ سے لکھنؤ پہنچے، آپ کے ساتھ جواں سال فاضل حضرت علامہ مفتی شاہد رضا صاحب (آپ کے داماد) بھی تھے، وہاں سے جمعہ کی نماز سے قبل روناہی تشریف لائے، روناہی جامع مسجد میں جمعہ کی امامت فرمائی اور پھر بعد نماز جمعہ جامع معقول و منقول علامہ مفتی شبیر حسن صاحب رضوی کی نماز جنازہ پڑھائی، پھر دوسرے دن صبح کی فلائٹ سے باہر تشریف لے گئے، پہلے پروگرام تھا کہ جمعرات کو بعد نماز عصر نماز جنازہ ہوگی لیکن جب یہ پتہ چلا کہ محدث کبیر تشریف لا رہے ہیں لیکن جمعرات کی بجائے جمعہ کو پہنچ پائیں گے تو ذمہ داروں نے مؤرخہ ۱۲؍ دسمبر بروز جمعرات کی بجائے ۱۳؍ دسمبر بعد نماز جمعہ جنازہ کا پروگرام رکھا۔

مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے ویسے تو سیکڑوں شاگردوں میں کم از کم دو درجن ایسے شاگرد ہیں جن پر کسی بھی استاذ کو فخر ہو سکتا ہے اور ہونا بھی چاہئے لیکن ادھر دو دہائیوں میں جو کچھ میں نے دیکھا اور سنا اس کی بنیاد پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت کے قابل ذکر تلامذہ میں جسے مفتی صاحب سے بہت قرب اور قبولیت کا شرف حاصل رہا وہ حضرت علامہ مفتی اختر حسین صاحب قادری علیمی استاذ و مفتی دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی ضلع بستی کی شخصیت ہے، مفتی اختر حسین صاحب کے مخدومین میں حضور فقیہ ملت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ متوفی (۲۰۰۱ء) سیدی مرشدی حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ متوفی (۲۰۱۸ء) بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب علیہ الرحمہ اعظمی، حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری اور استاذ محترم مفتی شبیر حسن صاحب علیہ الرحمہ ہیں، ان تمام حضرات میں مفتی شبیر حسن صاحب علیہ الرحمہ باضابطہ مفتی اختر حسین صاحب کے استاذ تھے، باقی حضرات سے آپ نے وقتاً فوقتاً استفادہ کیا ہے، بالخصوص فقہ و فتاویٰ سے لے کر بحث و مناظرہ کے مسائل میں محدث کبیر سے مفتی اختر حسین صاحب نے فیض حاصل کیا ہے، ان فیوض و برکات کا ظہور مفتی صاحب کی گفتگو اور مناظرانہ ابحاث سے بخوبی ہوتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ بڑے با اخلاق، کریم

النفس، وسیع الظرف اور اصول پسند آدمی تھے۔آپ کو جو کہنا ہوتا کہہ دیتے، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفیق تھے، جب بھی ملنے کا موقع ملا، ذرہ نوازی سے محروم نہ فرمایا، گفتگو میں بار بار دعاؤں سے نوازتے، انداز گفتگو فطرۃً عاجلانہ تھا، خطاب بھی بلا توقف فرماتے تھے لیکن گفتگو ٹھوس دلائل سے مزین ہوتی تھی۔ڈیل ڈول ہلکا، منحنی بدن، رنگ نہ گورا اور نہ بالکل سانولا، لباس سادہ، بولتے تو عالمانہ شان اور وقار کے ساتھ، لفظ لفظ سے اعتماد ویقین کی خوشبوئیں پھوٹتیں۔

جب کسی شاگرد پر کرم کی بارش ہوتی، خوش ہوتے تو فرماتے، یہ میرا شاگرد ہے، یہ میرا شاگرد ہے، میں نے اسے پڑھایا ہے، خوب ٹھوک کر پڑھایا ہے، یہ جملے خوشی اور مسرت کے ہوتے تھے، مفتی صاحب ویسے تو تمام مضامین پہ عبور رکھتے تھے لیکن آپ کی زندگی کے بیشتر ایام احادیث مبارکہ بالخصوص بخاری شریف اور منطق وفلسفہ کی منتہی کتابیں پڑھانے میں گذرے ہیں۔آپ کی درسگاہ بہت بافیض درسگاہ تھی، بڑے بڑے علما، فقہا، اساتذہ اور خطبا، قلمکار آپ کی بارگاہ کے فیض یافتگان میں ہیں، مدارس اسلامیہ میں ختم بخاری شریف اور منتہی درجہ کے طلبہ کے ممتحن کی حیثیت سے آپ کو بلایا جاتا تھا۔آپ کے نام اور کام کی دھمک پورے ملک میں محسوس کی جاتی تھی، پندرہویں صدی نصف اوّل کے جامع الصفات اور افضل الکمالات ذی استعداد اساتذہ کی فہرست مفتی صاحب کے نام کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی بلکہ اس میں نمایاں نام مفتی صاحب کا ہوگا۔

مفتی صاحب اپنے آپ میں ایک جہان علم وفن تھے، جن کی حیات مبارکہ کا ہر پہلو درس وتدریس اور علم وآگہی سے منور تھا، اہل سنت وجماعت کے نمائندہ تعلیمی اداروں میں الجامعۃ الاسلامیہ قصبہ رونا ہی کا شمار ہوتا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ الجامعۃ الاسلامیہ کے معیار اور اسٹینڈرڈ کا نام مفتی شبیر حسن تھا، الجامعۃ الاسلامیہ کی عظمت اور شوکت کی نشانی اور علامت کا نام مفتی شبیر حسن تھا، اس ادارہ کی آن، بان، شان کا نام مفتی شبیر حسن تھا، مفتی شبیر حسن صاحب علیہ الرحمہ سے جدا کر کے اگر آپ دیکھیں تو آپ کو ایک بہت بڑا خلا نظر آئے گا، جس کو پُر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا، الجامعۃ الاسلامیہ کی شان وشوکت کے ہر مینار پہ مفتی شبیر حسن رضوی علیہ الرحمہ کی صورت آپ کو نظر آئے گی۔

گویا کہ الجامعۃ الاسلامیہ کا نام مفتی شبیر حسن رضوی اور مفتی شبیر حسن رضوی کا نام الجامعۃ الاسلامیہ تھا، مفتی صاحب کے بعد الجامعۃ الاسلامیہ کا وہ آفاقی تصور شاید پھر کبھی قائم نہ ہو پائے (اللہ کرے یہ غلط ہو) موجودہ وقت میں مذکورہ ادارہ کے پرنسپل اور شیخ الحدیث کے منصب پر مفتی صاحب کے قابل ذکر شاگرد، ماہر درسیات نظامی حضرت علامہ بخش اللہ صاحب مدظلہ العالی فائز ہیں، رب تعالیٰ حضرت کی ذات کو استاذ محترم مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا نعم البدل بنائے، آمین۔

اور مفتی صاحب کی رحلت سے پیدا ہونے والی خلا کو پُر فرمائے، آمین، حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے شاگرد ومقرب حضرت علامہ مفتی محمد اختر حسین صاحب علیمی مدظلہ العالی سے جب میں نے دریافت کیا تو علیمی صاحب نے فرمایا کہ ویسے تو حضرت ہر فن مولیٰ تھے، جو کتاب بھی پڑھاتے لاجواب پڑھاتے تھے لیکن شرح جامی، ملّا حسن اور بیضاوی شریف پڑھاتے تو لگتا کہ ان کتابوں کو پڑھانے کا حق آپ ہی کو ہے، علیمی صاحب نے بتایا کہ ان کتابوں کے علاوہ شرح ہدایۃ الحکمۃ، قطبی، صدرا اور بخاری شریف پڑھنے کا مجھے شرف حاصل ہوا، آپ فرماتے ہیں کہ مفتی صاحب جماعت علما میں متکلم کے درجہ پر فائز تھے، ان کی درسگاہ درسگاہ نہیں علوم وفنون اور مواہب وکمالات کی لائبریری تھی، دلائل اور جوابات جیسے دست بستہ کھڑے رہتے، حاضر دماغی اور قوت حافظہ کا یہ عالم کہ پندرہ روز پہلے کہاں تک پڑھایا تھا اور کیا پڑھایا تھا، ذہن میں محفوظ رہتا، اتنے لمبے وقفے کے بعد بھی جب شروع کرتے تو وہیں سے جہاں پندرہ روز پہلے چھوڑا تھا۔

فکری ونظریاتی طور پر نہایت سخت، متصلب اور باعمل سنی حنفی بریلوی تھے، اصول وفروع سب میں مسلک اعلیٰ حضرت

کے حامی اور ناصر تھے، تمام مسائل خلافیہ میں اپنے مرشد اجازت حضور تاج الشریعہ سیدی علامہ مفتی اختر رضا خاں قادری علیہ الرحمہ اور شہزادۂ حضور صدر الشریعہ محدث کبیر علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری کے موافق ومؤید، اسی لیے انہوں نے ایسے تمام لوگوں سے اپنے تعلقات محدود کر لیے جو اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم یا حضور تاج الشریعہ کی کسی طور پر مخالفت کرتے ہیں یا مرکز کی مرکزیت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، اس میں آپ نے کسی کی پروا نہیں کی، یہاں تک کہ اپنے بہت سے شاگردوں سے بھی احتراز واحتیاط فرمانے لگے تھے۔

مفتی صاحب نے اوارڈ لینے سے انکار فرمادیا

درگاہ قطب اودھ حضرت مخدوم شاہ مینا علیہ الرحمہ کے احاطہ میں عظمت اولیا کانفرنس کے موقع پر مفتی شبیر حسن رضوی علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت ایوارڈ دیا جانا تھا، لیکن مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے ایوارڈ لینے سے اس لیے انکار فرمادیا تھا چونکہ جلسہ کا اصلی بانی اور صارف ایک ایسا شخص ہے، جو سنیوں کے درمیان نیاز میلاد میں بھی شرکت کر لیتا ہے مگر وہابیوں کے پیچھے بلا روک ٹوک نماز پڑھتا ہے، ان کے پروگرام اور میٹنگوں میں بلا جھجھک شرکت کرتا ہے، صرف اتنا ہی نہیں جس مسجد کا وہ متولی ہے اس کا امام جمعہ وہابی ہے اور جس مینائی ایجوکیشنل سوسائٹی کا وہ بانی ہے اس کا صدر مولوی خالد رشید ندوی فرنگی محلی ہے، مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے جب انکار فرمادیا، تو بانیٔ جلسہ اور اس کے معاونین قاری صاحبوں نے مفتی صاحب کی جگہ پر وہی ایوارڈ جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے موجودہ پرنسپل حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب مصباحی کو پیش کر دیا، ممکن ہے مفتی صاحب کو صورت حال سے آگاہ کیے بغیر ایسا کیا گیا ہو۔

الغرض یہ کہ مفتی صاحب صلح کل اور تذبذب کے مریضوں سے دور رہتے تھے، بدلتے حالات اور نئی روشنی کے دلدادگان سے مفتی صاحب کا کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ جامعہ کے سابق وائس پرنسپل علامہ وصی احمد وسیم صدیقی کی زبانی:

میں نے الجامعۃ الاسلامیہ روناہی کے سبکدوش نائب پرنسپل حضرت علامہ وصی احمد وسیم صدیقی صاحب سے جب دریافت کیا جامعہ اور جامعہ میں مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی آمد اور ان کی شخصیت سے متعلق تو حضرت علامہ وصی احمد صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا کہ الجامعۃ الاسلامیہ کو ڈاکٹر سید محفوظ الرحمن، حاجی سید محمد الیاس اور حاجی محمد التفات خان نے قائم کیا تھا، اس مدرسے کو ابتدا میں علامہ قمر الزماں صاحب اعظمی نے سنبھالا، درس نظامی کی شروعات اور تعمیر کے اعتبار سے آپ نے بہت کچھ کیا، آپ کے جامعہ سے جانے کے بعد شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ مطابق اگست ۱۹۷۴ء میں سابق پرنسپل حضرت علامہ نعمان خان اعظمی علیہ الرحمہ کی آمد ہوئی، چھ ماہ بعد مولانا نعمان خان صاحب اشرفیہ مبارک پور قاضی شریعت حضرت علامہ قاضی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ کے پاس مدرس کے لیے پہنچے، حضرت علامہ وصی احمد صاحب فرماتے ہیں، کلاس کے بعد میں، مولانا عبد المنان کلیمی اور مولانا طاہر طلبۂ شعبۂ تخصص چائے پینے کے لیے نکل رہے تھے، میں درمیان میں تھا باقی دونوں میرے رفقا دائیں بائیں تھے، قاضی صاحب نے مولانا نعمان خان صاحب سے فرمایا، ان تینوں میں جس کو چاہئے لے جائیے، یہ تعلیم مکمل کر چکے ہیں، فی الوقت تخصص کر رہے ہیں، مولانا نعمان خان صاحب نے میرا انتخاب فرمایا، پھر قاضی صاحب نے مجھ کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ تم مولانا کے ساتھ چلے جاؤ، ان کے مدرسے میں مدرس کی ضرورت ہے، میں کچھ کہتا اس سے پہلے قاضی صاحب نے فرمایا، کہ اس سے پہلے دو بار تمہیں کہہ چکا ہوں اور تم نے انکار کر دیا ہے، اس بار تمہیں ہر حال میں جانا ہوگا، چار و ناچار میں نے حامی بھر لی اور استاذ گرامی حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب کی خدمت میں پہنچا اور عرض حال کیا کہ قاضی صاحب پڑھانے کے لیے بھیج رہے ہیں، تو حضرت نے فرمایا کہ ٹھیک ہے چلے جائیے، مشاہرہ کیا ہوگا؟ تو میں نے عرض کیا، میں نے یہ تو دریافت نہیں کیا، تو محدث کبیر نے فرمایا کہ پڑھانے جا رہے ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ مشاہرہ کیا ہوگا؟ پھر حضرت نے چپراسی کو قاضی صاحب کے پاس

بھیجا، اور دریافت کیا کہ مولانا کا مشاہرہ کیا ہوگا؟ قاضی صاحب نے فرمایا کہ ایک سوتیس روپئے۔

اس طرح میں علامہ نعمان خان صاحب کے ساتھ اپنی پہلی اور آخری درسگاہ الجامعۃ الاسلامیہ پہنچا، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے خان صاحب سے پوچھا کہ آپ نے میرا انتخاب کیوں کیا؟ جبکہ ہم لوگ تین ساتھی تھے، تو آپ نے فرمایا کہ آپ درمیان میں تھے، جو بیچ میں ہوتا ہے وہ سب کو لے کر چل سکتا ہے، قیادت کرسکتا ہے، پھر میں دریافت کیا کہ میری تقرری کس منصب پہ ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا کہ آپ میرے نائب رہیں گے، اس طرح شروع سے اخیر تک ہم لوگ الجامعۃ الاسلامیہ میں رہے، علامہ نعمان خان صاحب علیہ الرحمہ شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء اور میں محرم الحرام ۱۳۹۵ھ مطابق جنوری ۱۹۷۵ء میں آیا، جس وقت ہم لوگ رونا ہی آئے اس وقت الجامعۃ الاسلامیہ کی تعمیری حالت اس طرح تھی، موجودہ وقت میں جہاں سنٹرل بلڈنگ ہے، وہاں آگے سے دو کمرے، عقب میں تین کمرے اور ایک ہال اس کے علاوہ ایک عمارت دو منزلہ جس میں ۴ رکمرے اوپر اور چار نیچے تھے۔

حضرت علامہ نعمان صاحب کی صدارت میں تعلیمی نظام چست درست ہوا، یہاں تک کہ دورہ کی تعلیم کا مرحلہ پیش آیا، ایک ڈھیر سال کے اندر ضرورت محسوس ہوئی شیخ الحدیث کی، پہلے بیچ کو بخاری پڑھانے کے لیے مبارکپور سے حضرت علامہ عبد الشکور صاحب گیاوی سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ کو لایا گیا، آپ نے پہلے بیچ کو دورۂ حدیث کرایا، پہلے فارغین میں حضرت مولانا قاری صغیر احمد قادری صاحب صدر درگاہ کھمن پیر کمیٹی چار باغ لکھنؤ ہیں، آپ نے علامہ عبد الشکور صاحب سے بخاری شریف کا درس لیا، اس کے بعد علامہ عبد الشکور صاحب پھر مبارکپور چلے گئے، پھر وہی دشواری کہ شیخ الحدیث کے منصب پر کس کو لایا جائے؟ تو میں نے علامہ نعمان خان صاحب کو مشورہ دیا کہ اس طرح ہر سال کہاں تک آپ شیخ الحدیث تلاش کرتے رہیں گے، کسی باصلاحیت نئے آدمی کو منتخب کرلیں اور میری رائے ہے کہ حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب اس کے لیے بہتر اور موزوں رہیں گے، وہ اس ذمہ داری کو کما حقہ نبھا پانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، میری تجویز خان صاحب علیہ الرحمہ نے پسند فرمائی اس طرح مدرسۂ عزیز العلوم نانپارہ سے مفتی صاحب کو رونا ہی لایا گیا۔

مفتی صاحب جب سے رونا ہی آئے پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے، مستقل بخاری شریف آپ کے زیر درس ہوتی تھی، اس کے علاوہ مسلم الثبوت، بیضاوی شریف، ملاحسن، شرح جامی، شرح ہدایۃ الحکمۃ اور صدرا جیسی معرکۃ الآرا کتابیں آپ کے درس میں ہوتی تھیں، مفتی صاحب ہرفن مولیٰ، گویا کہ وہ درس وتدریس ہی کے لئے بنائے گئے تھے، وہ زینت درسگاہ تھے، آپ فرماتے ہیں کہ انتقال کے بعد مفتی صاحب کا چہرہ زندگی سے زیادہ بارونق لگ رہا تھا اور کیوں نہ ہو کہ آخری سفر پر جانے سے پہلے بھی مفتی صاحب نے بخاری شریف کا درس دیا اور اسی انداز میں دیا جیسے پہلے دیا کرتے تھے۔

جامع معقول ومنقول، استاذ الاساتذہ، حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب علیہ الرحمہ سے متعلق اسی جامعہ کے ایک سینئر، باوقار، ماہر استاذ حضرت علامہ وصی احمد صاحب کے خیالات تھے، میرے نزدیک علامہ وصی احمد صاحب کے الفاظ مفتی صاحب کے تعلق سے اس لیے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں چونکہ جتنا قریب سے آپ نے علامہ نعمان خان اور مفتی شبیر حسن صاحب کو دیکھا ہے وہ موقع کم لوگوں کو میسر آیا ہوگا۔

آپ بذات خود ایک ماہر، باصلاحیت، ذی استعداد اور ہمہ جہت استاذ ہیں، آپ کا محبوب مشغلہ منطق وفلسفہ کی تدریس رہا ہے، جب تک آپ جامعہ میں رہے نائب پرنسپل کے منصب پر فائز رہے، طلبہ پہ بڑا اثر رہا، صدر المدرسین اور نائب کے درمیان ہمیشہ آپسی ہم آہنگی برقرار رہی، دونوں ایک دوسرے کا لحاظ فرماتے رہے، آپ کے یہاں طحاوی شریف، مستقل پینتیس سال تک مختصر المعانی کا درس دیا، اس کے علاوہ مشکوٰۃ شریف، مؤطا امام محمد، ہدایہ اولین، شرح وقایہ ثانی،

حسامی، نور الانوار جیسی علمی اور فنی کتب زیر درس ہوتی تھیں، ریٹائرڈ ہونے کے بعد اپنے گھر گوپال گنج بہار میں مقیم ہیں۔

میرا خیال ہے کہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا کوئی شاگرد یا معاصر مفتی صاحب کی سادگی، سادہ لوحی اور تدریسی صلاحیت کے حوالے سے انگلی نہیں رکھ سکتا اور اگر کوئی مفتی صاحب کی تدریس پر کچھ کہے تو میرا خیال ہے کہ اس زمانے میں پھر کوئی مدرس رہا ہی نہیں، اگر یہ کہا جائے کہ پورے ہندوستان کے مدارس اہل سنت میں سے دس قابل اساتذہ کا انتخاب کیا جائے تو اس ٹاپ کلاس میں مفتی صاحب کا نام نمایاں ہوگا۔

ایک حسین خواب

یہ حقیر مفتی صاحب کا شاگرد نہیں لیکن ہمیشہ دل سے ان کا احترام کرتا رہا اور عقیدت کی حد تک ان سے تعلق رکھتا، ان کے انتقال پر مختلف مقامات پر دعا کا اہتمام کرایا اور آپ کی جنازہ مبارکہ میں شرکت کے بعد جب لکھنؤ لوٹا تو دوسرے دن مورخہ ۱۴/دسمبر ظہر سے پہلے خواب میں دیکھا کہ مفتی صاحب لیٹے ہوئے ہیں، منہ قبلہ کی طرف ہے، مجھے یہ پتہ ہے کہ آپ کا انتقال ہو چکا ہے، خیال آیا کہ مرنے کے بعد اعضا سیدھا کر دینا چاہئے، اس خیال سے پہلے پیر کو صحیح کیا تو پیر سیدھا ہو گیا، پھر سر کی طرف آیا اور بائیں طرف ہاتھ کی انگلیوں کو سیدھا کرنا چاہا تو جیسے آپ نے میری انگلیوں کو پکڑ لیا، میں نے کسی طرح اپنا ہاتھ الگ کیا اور پھر مفتی صاحب کی انگلیوں کو سیدھی کیا تو سیدھی ہو گئیں، میں نے اپنے طور پر یہ محسوس کیا کہ مفتی صاحب کی خدمت میں اس حقیر کا ہدیہ اور محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے اسے بروئے کار لاؤں اس طور پر عجلت میں یہ چند سطریں بطور نذرانہ کے پیش ہیں، اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور مفتی صاحب کو اپنی رحمتوں سے وافر حصہ عطا فرمائے، آمین۔

میں اپنی گفتگو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان اشعار کے ساتھ ختم کرتا ہوں۔

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

تیرے غلاموں کا نقش قدم ہے راہ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

◆◆◆

ص ۵۲/کا بقیہ.......................................

وارتقا میں آپ کا خاص کردار رہا ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ الجامعۃ الاسلامیہ کی آج پوری دنیا میں جو شہرت و مقبولیت حاصل ہے وہ دو اہم شخصیتوں کی عطا ہے ایک نام بادشاہ تدریس علامہ شبیر حسن کا ہے تو دوسرا نام سابق صدر المدرسین علامہ نعمان خاں قادری کا ہے ،اس لئے جامعہ کے سربراہ اعلیٰ اور بستی کے محبین کہیں بھی جانے سے آڑے آئے اور ریٹائرڈ ہونے سے تقریباً ایک مہینہ پہلے ہی علامہ قمر الزماں صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاسلامیہ نے لندن سے قاری جلال الدین صاحب کو فون کر دیا کہ مفتی صاحب کے ریٹائرڈ ہونے سے پہلے ہی تقرر نامہ پیش کر دیں تا کہ کہیں جانے کی نہ سوچیں، حضور تاج الشریعہ کی محبت کا اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مفتی صاحب کہیں بھی بریلی شریف میں تشریف لاتے اور ملنے کا موقع نہ ہوتا تو بھی حضور تاج الشریعہ وہیں کسی خادم کے ذریعہ نذرانہ بھیج دیتے ، یادگار حضور مفتی اعظم ہند دار العلوم مظہر اسلام میں اکثر بخاری شریف کرانے کے لئے تشریف لاتے،ایک سال جبکہ راقم الحروف بھی ختم بخاری شریف حاضر تھا، میں نے دیکھا بعد ختم شریف حضور تاج الشریعہ کے خادم نے مفتی صاحب کو تاج الشریعہ کی طرف سے نذرانہ پیش کیا۔ ’’الفردہ‘‘ جو ’’قصیدہ بردہ شریف‘‘ کی عربی شرح ہے، شارح فخر ازہر جانشین حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری علیہ الرحمہ ہیں ، بعد تکمیل شرح حضور تاج الشریعہ نے حضور علامہ مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ سے اس پر مقدمہ لکھنے کے بارے میں فرمایا تو مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ نے فردہ پر ایک نہایت ہی فصیح و بلیغ عربی میں مقدمہ تحریر فرمایا جس سے آپ کی ادبیت کا اندازہ ہوتا ہے، مولیٰ تعالیٰ استاذ گرامی وقار حضرت مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی قبر پر رحمت و نور کی ہونے والی بارشوں میں اضافہ فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ◆◆◆

از: مفتی محمد ایوب خاں نوری *

حضرت مفتی شبیر حسن رضوی ایک جامع الصفات شخصیت

خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند، رہبر قوم وملت، شیخ العلماء، استاذ الاساتذہ، بحر العلوم العقلیہ والنقلیہ حضرت علامہ مولانا الحاج الشاہ مفتی محمد شبیر حسن رضوی نوری علیہ الرحمہ شیخ الحدیث و مفتی الجامعۃ الاسلامیہ قصبہ روناہی ضلع فیض آباد (یوپی) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، آپ کی دینی وملی خدمات اظہر من الشمس ہیں، ضلع بستی ایک تاریخی مردم خیز ضلع ہے جہاں سے کئی ایسی ہستیاں عالم وجود میں آئیں جو علم وفضل کی دولت سے مالا مال اور اعلیٰ صلاحیتوں کی مالک تھیں، ان شخصیات میں ایک شخصیت علم وفن کے شہسوار عاشق اعلیٰ حضرت ناشر مسلک اعلیٰ حضرت وحید زمن حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی ہے جنہوں نے دین وسنیت کی خدمت اور علم وفن کی اشاعت میں وہ نقوش چھوڑے ہیں جو برسوں گزرنے کے بعد بھی دھندلے نہیں ہوں گے اور ان سے لوگ ہدایت ورہنمائی کی روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔

در حقیقت ہیں زمانے میں وہی خوش تقدیر
نام مرنے پہ بھی مٹتا نہیں جن کا زنہار

حضرات عام طور یہ دیکھا گیا ہے کہ علوم وفنون کی بعض ماہر شخصیات جن کا رجحان نظر کسی خاص فن کی طرف ہوتا ہے تو اس فن کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے مثلاً کسی کو فقہ سے زیادہ دلچسپی ہوئی تو اس کو فخر الفقہا کہہ دیا جاتا ہے، اسی طرح کسی کی فن حدیث کی طرف زیادہ توجہ ہوئی اس تو اس کو استاذ المحدثین کہہ دیا گیا علیٰ ہٰذ القیاس کسی کو شیخ الادب تو کسی کو جامع معقولات کہا جاتا ہے لیکن شیخ العلماء حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ کی شخصیت وہ مایۂ ناز شخصیت ہے، جن کے لئے ہر فن خاص فن تھا چونکہ ان کو تمام مروّجہ علوم فنون میں ید طولیٰ حاصل تھا کہ جو فن بھی ان سے پڑھا جاتا اس میں وہ کامل نظر آتے، منطق ہو، فلسفہ ہو، ریاضی ہو، تفسیر ہو، حدیث ہو، فقہ واصول فقہ ہو، نحو ہو، صرف ہو، ادب ہو یا کسی فن کے تعلق سے گفتگو کی جاتی تو وہ اس میں حاذق وماہر نظر آتے، ان کے تعلق سے امام المنطق والفلسفہ کا نعرہ لگانے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتا، تدریسی مصروفیات کثیرہ کے باوجود مختلف عنوانات پر متعدد کتابیں بھی معرض وجود میں آئیں، انہیں کتابوں سے ایک کتاب ہے ''الجواہر المنظم'' جو اصول فقہ کی ایک اہم معرکۃ الآراء کتاب ''مسلم الثبوت''، جس کی افادیت واہمیت سے مدارس اسلامیہ کے علما وطلبا خوب واقف ہیں، کی اردو شرح ہے، پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے یہ شرح نہایت ہی مفید ہے، مولیٰ تعالیٰ امت مسلمہ کو ان سے مستفید ومستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب علیہ الرحمہ کا مرکز اہل سنت سے گہرا تعلق تھا، نائب سید المرسلین، امام المتقین، شیخ العارفین، امام العلما والمفاتی سیدی وسندی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے آپ کو بیعت وخلافت حاصل تھی، امام اہل سنت حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ایسے عاشق زار تھے کہ اٹھتے بیٹھتے ''یا اعلیٰ حضرت'' کا وظیفہ آپ کی زبان پر جاری رہتا۔

حضور تاج الشریعہ مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے آپ چاہتے تھے کہ ریٹائرڈ ہونے کے بعد جامعۃ الرضا بریلی شریف تشریف لے آئیں بلکہ ہندوستان کے اکثر بڑے بڑے اداروں میں بھی آپ کی مانگ تھی لیکن چونکہ ملک ملت کی عظیم دینی درسگاہ الجامعۃ الاسلامیہ قصبہ روناہی میں عرصۂ دراز تک ایسی دینی ملی تدریسی خدمت کی جس کی مثال نہیں ملتی، الجامعۃ الاسلامیہ روناہی کے عروج بقیہ ص ۵۱ / پر

* مضمون نگار جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف کے مفتی واستاذ ہیں۔

از: مفتی محمد اختر حسین قادری *

امام العلما حضرت مفتی شبیر حسن رضوی علیہ الرحمہ
اور مرکز اہل سنت بریلی شریف

اس دنیائے دنی اور مظہر کون وفساد کی رنگارنگی اور بو قلمونی بھی بڑی عجیب وغریب شئے ہے، کروڑوں پیکر حسن و جمال اور سراپا فضل وکمال نے اپنی عظمتوں کی درخشندگی سے ایک عرصہ تک اس کائنات میں نور بھرا اور پھر مثل شمس اپنی کرنوں کو سمیٹ لیا مگر ؎

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے محفل کی

ابھی مکمل دوسال بھی نہیں ہوئے کہ عالم اسلام کا وہ آفتاب غروب ہوگیا جس کی پاکیزہ کرنوں اور صاف وشفاف شعاؤں نے دشت وجبل، میدان ومحل، صحرا وسہل اور بحر وبر کو اس طرح منور کررکھا تھا کہ زبانِ حقیقت برملا پکار اٹھتی ہے ؎

ان کا سایہ اک تجلی، ان کا نقشِ پا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

عظمت ورفعت، شان وشوکت، دانش وحکمت، عشق ومحبت اور خیر وبرکت والے شہر "بریلی" میں فضل وشرف اور جاہ وحشمت والے خانوادہ میں وہ آفتابِ علم وحکمت ۱۹۴۳ء میں طلوع ہوا، آسمانی سیاروں کے زحل ومریخ کی مانند اس ارضی سیارہ کو دنیا نے تاج الشریعہ کا نام دیا جو ۲۰۱۹ء میں مثلِ سورج افقِ ہند سے روپوش ہوکر کسی اور دنیا میں جلوہ ریز ہوگیا جس سے امتِ مسلمہ میں ہرسو صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی، اہل اسلام کی یہ وحشت ناک کیفیت اور کربناک حالت ابھی بدلنے بھی نہ پائی تھی کہ یکا یک پھر ایک اور ہولناک منظر نگاہوں کے سامنے آگیا اور ؎

تیرہ وتار تھی کچھ یوں ہی شبستانِ حیات
دامن چرخ سے ایک اور ستارہ ٹوٹا

یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو ضلع سنت کبیرنگر، یوپی، انڈیا کے ایک مردم خیز اور مشہور آبادی "دیوریا لعل" کے افق پر ایک روشنی پھوٹی جسے رب قدیر نے شریعت وطریقت کا جامع، علم وحکمت کا منبع، کلام وکمال کا بوستاں، منطق وفلسفہ کا رازداں، اور مذہب حق کا پاسباں بنا کر آسمان فکر وفن کا آفتاب عالم تاب بنا دیا اور شرق وغرب کو اس کی ضیا بار کرنوں سے تابندہ ودرخشندہ فرما دیا جسے ارباب دانش نے سلطان المدرسین، رئیس الاساتذہ، شیخ الاساتذہ، مرجع علما، شہنشاہ اقلیمِ درس نظامی، زینت مسند تدریس وافتا، غزالیٔ دوراں، رازیٔ زماں اور امام العلما جیسے بے شمار علمی اور روحانی خطاب سے یاد کیا جسے گھر آنگن میں مفتی شبیر حسن اور دنیائے فضل وحکمت میں امام العلما کے لقب سے جانا جارہا ہے۔ اس عبقری شخصیت نے نصف صدی تک اپنے فکر وفن کی دودھیا چاندنی سے ملت اسلامیہ کو فیض یاب فرمایا۔

رب تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بے شمار فضائل وکمالات کا حامل بنایا تھا، جماعت اہل سنت میں آپ کی شان وشوکت کا پرچم آسمان کی بلندی پر گڑا ہوا تھا، آپ بیک وقت محدث، مفسر، فقیہ، مناظر، اصولی، متکلم، منطقی، فلسفی اور بے نظیر مدرس تھے، جہانِ درس وتدریس کے شہنشاہ اور اقلیم تعلیم وتفہیم کے تاجدار تھے، مگر ان تمام اوصاف کے ساتھ جس فضیلت کے سبب وہ اقران و امثال میں منفرد ویگانہ اور علمائے دہر وفضلائے دیار میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، وہ حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی قُدِّسَ سِرُّہ کی سچی محبت وعقیدت اور مجدد دین وملت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی قدس سرہ کی ذات سے والہانہ شیفتگی اور عشقِ جنوں خیز کی حد تک لگاؤ اور وارفتگی ہے۔ ؎

گدائے غوث ورضا ایسا نہ دیکھا کوئی
سراپا عشق ومحبت مرے مفتی شبیر

* مضمون نگار دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی کے مفتی واستاذ ہیں۔

راقم کے صفحۂ قلب اور حاشیۂ ذہن پر ان گنت مناظر و مشاہد ثبت ہیں جن سے آفتاب نیم روز کی مانند یہ حقیقت واضح ہے کہ امام العلما حضور مفتی شبیر حسن رضوی علیہ الرحمہ فنا فی الرضا کے درجہ پر فائز تھے، خلوت وجلوت، سفر وحضر، مجلس ومحفل، مسجد و مدرسہ اور ہر بزم وانجمن میں انہیں امام احمد رضا کا ذکر کرتے پایا گیا، وہ اس شعر کے مصداق تھے کہ ؎

اپنے دل کا ہے انہیں سے آرام
سونپے ہیں اپنے انہیں کو سب کام

میں محبتِ رضا اور احترامِ بریلی کے حوالہ سے تفصیل کسی اور موقع کے لیے چھوڑ کر سر دست صرف ایک جھلک دکھانے کی کوشش کرتا ہوں۔

بحمدہ تعالیٰ میں نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، وہ خالص سنی بریلوی ماحول ہے، میں نے بچپن سے ہی ''نعرۂ مجددی یا اعلیٰ حضرت'' اور ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی ایمان افروز اور باطل سوز صدا سے اپنے کانوں کو فیض یاب کیا ہے، مگر جلوہ گاہِ مجددِ اعظم کی قدر ومنزلت کا صحیح ادراک اور خانوادۂ رضویہ کی علمی خدمات اور اس کی ہمہ جہت کارکردگی سے واقفیت بارگاہِ امام العلما کی رہین منت ہے۔

جب میں نے الجامعۃ الاسلامیۃ روناہی میں اعلیٰ تعلیم کے لیے قدم رکھا تو استاذ العلما علامہ محمد نعمان خاں قادری علیہ الرحمۃ و الرضوان زیبِ مسندِ صدارت اور امام العلما حضور مفتی شبیر حسن رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان زینتِ مسندِ شیخ الحدیث تھے، شوال المکرم میں تعلیمی سفر کا آغاز ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ماہ محرم الحرام آ گیا، حضرت استاذ العلما کی طرف سے اعلان ہوا کہ جو طلبہ بریلی شریف عرس اعلیٰ حضرت میں شرکت کرنا چاہتے ہوں وہ کرایہ جمع کر کے اپنی سیٹ ریزرو کرا لیں۔

جن کی قسمت میں درِ رضا سے فیض یابی لکھی تھی وہ عرس سراپا قدس کی خیرات لے کر واپس آ گئے اور پھر قافلۂ علم وحکمت حسب سابق رواں دواں ہو گیا، برکتوں سے بہرہ مند ہو کر آنے والے طلبہ نے شہرِ شعور وآگہی اور مرکزِ محبت ووارفتگی کے حالات سے، حاضری سے محروم رہ جانے والوں کو بڑے شوق سے آگاہ کیا، دو چند سال یوں ہی گزرے، ادھر امام العلما کی درسگاہ فیض مآب میں شرف باریابی بھی حاصل ہو گیا، ولولۂ شوق کو آپ نے اس قدر تیز گام کر دیا کہ عرس مبارک کی تاریخ آنے سے پہلے ہی دل کی حالت یہ ہو گئی کہ ؎

سوئے درِ حبیب کھنچا جا رہا ہے دل
وارفتگی شوق کا موسم قریب ہے

حضور امام العلما کی بارگاہِ حکمت ودانائی میں جب بھی باریابی کی سعادت میسر آتی، کسی نہ کسی جہت سے ترانۂ عشق رضا سے محفل کو مسحور پاتا، رفتہ رفتہ دلِ ویراں محبتِ رضا کا لالہ زار بنتا گیا اور شعور وفکر کے افق پر تحقیقات رضویہ کی پرنور شعائیں بکھرنے لگیں، ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۸ء کی بات ہے، حضور امام العلما نے فرمایا "عرس رضوی" میں میرے ساتھ بریلی شریف حاضری دینا ہے، پھر کیا تھا بن مانگے مراد ملتی نظر آئی ؎

ہونا ہوتا ہے جب کوئی کار
غیب سے ہوتے ہیں اسباب آشکار

آخر وہ دن آیا، جب حضور والا کے دامن کرم کے سائے میں ''بریلی شریف'' کا مبارک سفر شروع ہو گیا، کاروانِ شوق شہر محبت وعقیدت اور مرکز اہل سنت میں پہونچا تو پھر ہمارے امام العلما کا اندازِ گفتگو، طرزِ تکلم، طریقۂ رہائش اور گفت وشنید کا معمول یکسر بدل گیا اور ایسا لگا کہ کسی شہنشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہیں اور رعبِ شاہی پورے ماحول پر غالب ہے، ابھی "مزار مجدد" پر حاضری بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ گلیوں سے گزر ہو رہا تھا مگر تعظیم وتوقیر اور اعزاز واکرام کا ایسا انداز راقم نے پہلی بار دیکھا تھا، احترام دربار مجدد کا عالم یہ تھا کہ بریلی کی ہر گلی، ہر کوچہ نسبتِ رضا کے سبب مرکزِ محبت وعقیدت بنا ہوا تھا، تصورِ جاناں میں ڈوبنے کی کہاوت سنی جاتی ہے مگر یہاں پیکر محسوس دیکھا جا رہا تھا۔

نہایت ادب واحترام کے ساتھ محلہ سوداگران میں واقع مرجع خلائق اور انوار وتجلیات سے نور علیٰ نور "مزار مجدد ملت" پر حاضری کے لیے بالآخر کاروانِ محبت پہنچ ہی بقیہ ص ۲۹ / پر

شہریت ترمیمی ایکٹ آئین مخالف: مولانا ملک الظفر

نفرت کی سیاست کا مکروہ وناپسندیدہ عمل بند کیا جائے یہ ملک کی سالمیت اور فلاح وبہبود کے حق میں نہیں، راجدھانی پٹنہ میں اہل سنت وجماعت کی معروف دینی درس گاہ الجامعۃ الرضویہ پٹنہ سیٹی میں گزشتہ دنوں منعقد ایک نشست میں ان خیالات کا اظہار سرپرست جامعہ حضرت مولانا مفتی محمد ملک الظفر سہسرامی صاحب نے فرمایا۔

انہوں نے کہا کہ ہمارا وطن ہندوستان پوری دنیا میں اپنی شاندار گنگا جمنی تہذیب کی بنیاد پہ جانا پہچانا جاتا ہے، یہاں مختلف تہذیب وتمدن اختیار کرنے والے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ ماحول میں زندگی گزارتے چلے آرہے ہیں، بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے، مختلف رنگ ونسل سے وابستگی اختیار کرنے والے الگ الگ دین دھرم اپنانے والے اور جداگانہ تہذیب وتمدن کے سائبان میں زندگی گزارنے والے لوگ ایک ہی سر میں سر ملا کر نغمہ سرا ہوتے ہیں۔ ع

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

انہوں نے فرمایا کہ افسوس! اس طرف کچھ دنوں سے سیاسی شعبدہ بازوں نے نفرت کی سیاست پہ اقتدار کی روٹی سینکنے کا کام شروع کردیا ہے، ملک کی ترقی، خوشحالی اور فراہمی روزگار جیسے حساس، اہم اور بنیادی مسائل پہ توجہ دینے کی بجائے غیر متعلق اور غیر ضروری موضوعات پہ اپنی سرگرمیوں کی تمام توانائیاں صرف کرنا شروع کردی ہیں، ملک کی معاشی اور اقتصادی صورت حال بد سے بدتر ہوتی چلی جارہی ہے، گرانی آسمان سے بات کررہی ہے۔ بے روزگاری کا اژدھا نئی نسلوں کے مستقبل کو تاریک سے تاریک تر کررہا ہے، ملک کا جی، ڈی، پی دن بدن زوال پذیر ہے ان حالات میں غیر ضروری موضوعات پہ سیاسی سرگرمی صاحبان اقتدار کی ناکامیوں کا افسانہ بیان کررہی ہے۔

مولانا سہسرامی نے کہا کہ برسر اقتدار جماعت کے ذریعہ پاس کردہ قانون شہریت ترمیمی ایکٹ قومی منافرت کا اعلامیہ ہے ملک کا دستور وآئین قطعی اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ رنگ ونسل، زبان وتہذیب، مذہب ودھرم کی اساس وبنیاد پر کوئی قانون وضابطہ بنایا جائے۔ ہر ہندوستانی کو اپنے اپنے مذہب کے احکام وضوابط کے مطابق زندگی گزارنے کی مکمل آزادی دستور ہند نے دے رکھی ہے، دستور میں اس کی بھی صراحت ہے کہ مذہب کی بنیاد پہ اگر ان سے کوئی امتیاز روا رکھا جاتا ہے تو یہ دستور کی صریح خلاف ورزی ہوگی، قومی منافرت کا جو تاج محل تعمیر کرنے کی منصوبہ بندی ہورہی ہے یہ ایکٹ اس کا سنگ بنیاد ہے۔

اس ایکٹ کے پاس ہوجانے کے بعد وہ تمام مسلمان جو پاکستان، بنگلہ دیش اور افغانستان سے ہجرت کرکے آئے ہیں انہیں ملک میں برسہا برس رہنے کے باوجود یہاں کی شہریت کے جملہ حقوق سے محروم کردیا جائے گا اور ان کی زمین وجائیداد ضبط کرکے انہیں قید وبند کی زندگی گزارنے پہ مجبور کردیا جائے گا، جب کہ مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب واقوام کے افراد کو شہریت حاصل ہوگی ایک جمہوری اور سیکولر ملک میں مذہب اور قوم کی بنیاد پہ نفرتوں کی یہ تقسیم ناقابل فہم ہے۔ ملک کی تمام سیکولر طاقتوں کو اتحاد واتفاق سے اس ایکٹ کے خلاف آواز بلند کرنا چاہیے اور چھوٹی بڑی سیاسی، سماجی اور فلاحی تنظیموں کو بھی اس نفرت آمیز ایکٹ کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا چاہئے۔

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ ابھی کچھ دنوں قبل آسام میں این، آر، سی کے تحت تقریباً ۱۹/لاکھ افراد غیر ملکی قرار دیئے گئے جن میں مسلمانوں کی تعداد قریب قریب پانچ لاکھ ہے، برسر اقتدار جماعت نے ایک مخصوص قوم کو ٹارگٹ کرتے ہوئے شہریت ترمیم ایکٹ پاس کیا ہے جسے ناکام بنانے کی ذمہ داری ہر ہندوستانی پہ عائد ہوتی ہے، سیکولر جماعت کے قائدین کو یہ احساس دلایا جائے کہ وہ جس سیکولرزم کے دعوے کے ساتھ میدان سیاست میں سرگرم عمل ہیں، اس کا بھرم رکھتے ہوئے قومی منافرت کی بنیاد پہ تیار اس ایکٹ کے خلاف کمر بستہ ہوجائیں۔

مولانا سہسرامی نے تمام سیکولر ہندوستانیوں سے اپیل کی کہ آپ اس ایکٹ کے خلاف اپنے ردعمل کا اظہار کریں، تنظیمیں

اور جماعتیں خاموش رہتی ہیں تو رہا کریں آپ بیدار ہوجائیے اپنی ذمہ داری محسوس کیجئے، یہ کام اب بہت زیادہ مشکل نہیں رہ گیا ہے، سوشل میڈیا نے آپ کو سہولت دے رکھی ہے۔ اس ایکٹ کے خلاف ایک مختصر سی تحریر ٹویٹر، فیس بک پہ پوسٹ کیجئے اور اپنے احباب و متعلقین کو بھی اس ایکٹ کی خطرناک جہتوں کا احساس دلا کر ان سے بھی پوسٹ کرائیے، یہ وقت کا سب سے زیادہ حساس، توجہ طلب اور نازک مسئلہ ہے، اگر آپ اس سوچ کے تحت خاموش رہ گئے کہ ہم تو اس کی زد سے باہر ہیں، ہمیں اس کے لیے کیا فکر مند ہونا، تو یقین جانئے کہ یہ پوری قوم کا اجتماعی جرم ہوگا اور کسی بھی قوم کے اجتماعی جرم کو قدرت اور تاریخ کبھی معاف نہیں کرتی۔ جاگیے، بیدار ہو کر سوشل میڈیا کے ذریعے اس ایکٹ کے خلاف اپنے ردعمل کا اظہار کیجیے، اگر آپ اس نازک گھڑی میں بھی سوئے رہ گئے تو کروڑوں مسلمان اس کی زد میں آجائیں گے ان کی زمین جائیداد ضبط ہوجائے گی اور وہ جیل سے بھی بدتر زندگی گزارنے پہ مجبور کر دیئے جائیں گے۔

جامعہ کے جنرل سیکریٹری الحاج سید محمد ولی الدین رضوی نے کہا کہ ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں نفرت کی یہ گندی سیاست ملک کی برسوں کی پاکیزہ روایات کی چادر میلی کر رہی ہے، صاحبان اقتدار کی تو منصبی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ملک میں رہنے والے تمام افراد کو بلا تفریق مذہب وملت تحفظ فراہم کریں، انہیں امن و سکون کے ساتھ زندگی گزارنے کی تمام تر سہولتیں مہیا کرائیں، نہ کہ انہیں ڈر اور خوف کے سائے میں زندگی گزارنے پہ مجبور کردیں، یہ حکومت کے سامنے ایک بہت بڑا سوال ہے، سیکولر جماعتوں کو اس ایکٹ کے خلاف بہت ہی پامردی کے ساتھ محاذ سنبھالنا ہوگا۔

رپورٹ: اراکین الجامعۃ الرضویہ، پٹنہ سیٹی

ایڈیٹر سنی دنیا کے والد گرامی کا انتقال پر ملال

معروف اہل قلم حضرت مفتی عبدالرحیم نشتر فاروقی صاحب ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف کے والد گرامی عالی جناب محمود عالم صاحب ۸؍نومبر ۲۰۱۹ء بروز جمعہ مبارکہ قریب سوا چار بجے شام کو اپنے دولت خانے پر (دمدمہ، مشرکھ سارن، بہار میں) انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ بروز ہفتہ ڈھائی بجے دن میں ہوئی، قرب وجوار کے سیکڑوں عوام وخواص نے جنازے میں شرکت کی اور دعائے مغفرت کی، نماز جنازہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے، نامور عالم و مفتی اور جامعۃ الرضا بریلی شریف کے نائب ناظم اعلیٰ حضرت علامہ مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی مدظلہ العالی (سربراہ اعلیٰ جامعۃ الزہرا، مخدوم سرائے، سیوان بہار) نے پڑھائی۔

موصوف تقریباً ۹۱ رسال کے تھے، بڑے ملنسار، با اخلاق اور باشرع انسان تھے، علاقے میں ہر دل عزیز تھے، اپنے بیگانے سبھی کے کام آتے تھے اسی لئے سارے لوگ ان کا ادب واحترام کرتے تھے، پس ماندگان میں دولڑکے اور دولڑکیاں ہیں، سبھی شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں، بڑی صاحبزادی کا دو سال قبل سلی گوڑی میں انتقال ہوگیا تھا۔

مولیٰ تعالیٰ موصوف کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

سوگوار (مولانا) محمد نورالدین رضا

آفس انچارج جامعۃ الزہرا، سیوان بہار

وہی چراغ بجھا جس کی لو قیامت تھی: مولانا ملک الظفر

مفتی شبیر حسن رضوی کے وصال سے علمی دنیا میں ایک زبردست خلا

صوبہ بہار کی معروف دینی ومذہبی درسگاہ الجامعۃ الرضویہ، مغلپورہ پٹنہ سیٹی میں منعقد ایک تعزیتی نشست میں ان خیالات کا اظہار سرپرست جامعہ حضرت مولانا مفتی محمد ملک الظفر سہسرامی نے فرمایا۔

سنت کبیر نگر یوپی کے ایک گاؤں سے تعلق رکھنے والی یہ علمی شخصیت اپنی بے پناہ خداداد علمی صلاحیتوں ولیاقتوں کی بنیاد پہ علمی آفاق پہ چھا گئی، معقولات ومنقولات پہ ایسی دسترس رکھنے والی

شخصیت اب خال خال ہی نظر آتی ہے، مذہب و مسلک کے وفادار و جانثار، صلح کلیت اور لبرل ازم سے سخت بیزار، اکابر علما کے معتمد، اماثل کے لیے سرمایۂ افتخار اور اصاغر کے لیے مثال تھی آپ کی شخصیت۔

طویل علالت کے بعد لکھنؤ کے رام منوہر لوہیا اسپتال میں ۱۱/دسمبر بروز بدھ آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ۱۲/دسمبر بعد نماز عصر الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جہاں عرصۂ دراز تک مسند تدریس کی زیب و زینت کا سامان آپ بنے رہے، راہ طریقت میں سرکار مفتی اعظم ہند سے آپ کو شرف بیعت وارادت حاصل تھا۔

آپ نے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات و شخصیت ہمارے دور میں یقینا اعتماد و اعتبار کا دستخط تھی۔ فقہ وافتا کے باب میں ان کا قلم بہت محتاط انداز میں اٹھتا تھا فکر رضا تو انہیں گھٹی میں پلا دیا گیا تھا۔ ان کے وصال سے جماعت اہل سنت ایک بڑے محدث، فقیہ، نبض شناس مفتی اور دقیقہ سنج استاذ سے محروم ہوگئی، کم وبیش ۵۰ سال تک علم وفکر کے اس آبشار سے نہ جانے کتنے تشنہ لبوں کو سیرابی حاصل ہوئی، آپ کے فیض یافتگان میں آج کے نامور صاحبان علم وفن ہیں۔

مولانا سہسرامی نے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب نے تا حیات مسلک اعلیٰ حضرت کی شاندار اور باوقار نقابت و ترجمانی کا فریضہ انجام دیا، حق گوئی، بے باکی، صلابت فکری اور استحضار علمی آپ کے خاص اوصاف تھے۔ مختلف فیہ مسائل میں خواص کی نگاہ آپ کی جانب ضرور اٹھتی تھی اور آپ کی رائے اعتماد و اعتبار کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔

تاج الشریعہ حضرت علامہ الحاج الشاہ المفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری بریلوی قدس سرہ آپ پر بے پناہ اعتماد و بھروسے کا اظہار فرماتے، یقیناً آپ کے وصال سے جماعت اہل سنت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے، رب قدیر علمی دنیا میں پیدا ہونے والے اس خلا کو پُر فرمائے اور آپ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے، آمین۔

جامعہ کے سیکریٹری محترم الحاج سید محمد ولی الدین رضوی نے حضرت مفتی صاحب کے وصال پر اپنے قلبی درد وغم کا اظہار فرماتے ہوئے اسے اہل سنت وجماعت کے لیے ایک بڑے خسارے سے تعبیر کیا۔

الجامعۃ الرضویہ کے اساتذہ طلبہ واراکین حضرت کے وصال پہ اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اسے جماعت کا ایک بڑا نقصان محسوس کر رہے ہیں، ہم تمام وابستگان جامعہ حضرت کے اہل خانہ کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہیں رب قدیر انہیں صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

رپورٹ: اراکین الجامعۃ الرضویہ، پٹنہ سیٹی

ص ۵۸/ کا بقیہ.......................................

کبھی آئے نہ نفرت کی خزاں خواجہ کی دھرتی پر
محبت کی کلی ایسی کھلانے کی ضرورت ہے
کریں گے اور نہ کرتے ہیں سمرتھن ہم سی اے بی کا
ہمیں یہ ملک بھر آواز اٹھانے کی ضرورت ہے
ہماری قوم کب تک سوتی جائے گی یونہی قدسی
انہیں اب خوابِ غفلت سے جگانے کی ضرورت ہے

ص ۵۸/ کا بقیہ.......................................

دیکھو ذرا، جماعت شبیر کا عُلُو
اب تک نشاں یزید کے، خَم کربلا میں ہیں
مل جائیں اِستقامت وجُرأت کے ولولے
ہم پر ہو یا الٰہی کرم، کربلا میں ہیں
چل کر فریدیؔ! حق کی جماعت کا ساتھ دو
دینِ خدا کے جاہ وحَشَم کربلا میں ہیں

◆◆◆

اپنے تأثرات ہمیں لکھ بھیجیں

ماہنامہ سنی دنیا کا یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ ہمیں ضرور لکھیں، ساتھ ہی اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازیں، ہمیں آپ کے تأثرات چھاپنے میں خوشی ہوگی۔

منظومات

سبق ظالم حکومت کو سکھانے کی ضرورت ہے

از: مولانا سید اولاد رسول قدسی، نیویارک امریکہ

مسلمانوں کو میداں میں اب آنے کی ضرورت ہے
سبق ظالم حکومت کو سکھانے کی ضرورت ہے

وطن کی آبرو بڑھ کر بچانے کی ضرورت ہے
سکوں کی راہ سے پتھر ہٹانے کی ضرورت ہے

وطن ہے یہ ہمارا اس کے با عزت ہیں ہم شہری
ہم اس کے دست و بازو ہیں بتانے کی ضرورت ہے

ہمارا چھین سکتا ہے کوئی بنیادی حق کیسے
نڈر ہو کر ہمیں ہمت دکھانے کی ضرورت ہے

ہے اس مٹی میں ہم سب کے بزرگوں کا لہو پیوست
نئی نسلوں کو یہ سب کچھ سنانے کی ضرورت ہے

جو بے دردی سے کرتے جاتے ہیں جمہوریت کا خون
ہمیں ان کے عزائم کو مٹانے کی ضرورت ہے

سروں سے پانی اونچا ہو گیا اب، حوصلوں کے ساتھ
مظالم کا ہمیں دفتر جلانے کی ضرورت ہے

یہ سب ہیں امن کے خونی تعصب ان کا ہے شیوہ
درندوں کو حکومت سے ہٹانے کی ضرورت ہے

بہت اب ہو گئ رسا کشی لو ہوش کے ناخن
ہمیں اب شمع یکجہتی جلانے کی ضرورت ہے

جنہیں حاکم بنایا تھا وہی ہیں برسرِ پیکار
انہیں احساسِ نااہلی دلانے کی ضرورت ہے

گلا انصاف کا جو گھونٹتے ہیں حکمرانِ وقت
بصورت احتجاج ان کو دبانے کی ضرورت ہے

مدرس ہوں مقرر ہوں کہ عالم ہوں کہ ہوں مرشد
انہیں رنگِ قیادت اب جمانے کی ضرورت ہے

وطن کے سارے غداروں کو دے کے اب شکست فاش
وفا کا پیڑ ہر دل میں لگانے کی ضرورت ہے

شہیدانِ وطن کا جذبۂ ایثار اپنا کر
ہمیں دیوار سازش کی گرانے کی ضرورت ہے

بقیہ ص ۵۷ پر

چاروں طرف سے وار ہے، ہم کربلا میں ہیں

از: مولانا محمد سلمان رضا فریدی، مسقط عمان

چاروں طرف سے وار ہے، ہم کربلا میں ہیں
پھر سے حسینیوں کے قدم کربلا میں ہیں

سچائی پر دباؤ ہے جھوٹوں کے ظلم کا
نُطق و زبان و فکر و قلم کربلا میں ہیں

نکلو! اگر تمہیں بھی ہے مِلّت کا کچھ خیال
سارے دفاعِ حق کے عَلَم کربلا میں ہیں

بت خانہ و کلیسا کی رسموں کا ہے فَروغ
اسلام کی بقا کے حرَم، کربلا میں ہیں

خالی نہیں یزیدی فریبوں سے کوئی خاک
چاہے عَرب ہو یا کہ عَجَم، کربلا میں ہیں

گھبراؤ مت اے مومنو! دشمن کی فوج سے
اپنے وجود، اُن کے عَدَم کربلا میں ہیں

ہے شامِ موت بھی یہاں صبحِ حیاتِ نَو
حقّانیت کے اَوج رقم کربلا میں ہیں

مٹ کر بھی اُس کی خاک سے، سورج بنیں گے ہم
ہم کو نہیں شکست کا غم، کربلا میں ہیں

ہم نے ہزاروں آگ کے دریا کئے ہیں پار
جان و جگر ہمیشہ سے ضَم کربلا میں ہیں

ہے مومنوں کو اَنتُمُ الاَعلَون کا پیام
اَوج و کمال رب کی قسم کربلا میں ہیں

قرآں نے دی بشارتِ کَم مِن فِئَۃ ہمیں
کچھ غم نہیں حسینی جو کم کربلا میں ہیں

راہ خدا میں رکھ دیا سب کچھ سمیٹ کر
ساری خوشی، تمام اَلم، کربلا میں ہیں

قربانیاں یہاں کی، نہیں جاتیں رائیگاں
وا، ہم پہ بابِ ہشت اِرَم کربلا میں ہیں

ہر حال میں یہاں ہیں بلندی کے فیصلے
اسلام کی بہار کے یَم کربلا میں ہیں

بقیہ ص ۵۷ پر

RNI No. UPMUL/2017/71926
Postal Regd. No. UP/BR-34/2020-2022

FEBRUARY - 2020
PAGES 60 WITH COVER

PER COPY : ₹ 25.00
PER YEAR : 300.00

MAHNAMA SUNNI DUNIYA

Printer, Publisher & Owner Asjad Raza Khan, Printed at Faiza Printers, Bara Bazar, Bareilly
Published at 82, Saudagran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Sharif (U.P.) PIN : 243003, Editor Asjad Raza Khan